اونچی اڑان

پہلی قسط

ایم اے راحت

موسم صبح سے ابر آلود تھا، ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ شاہ میر کرسی سے پشت لگائے صفورا کو دیکھ رہا تھا۔ صفورا کئی بار بے چینی سے پہلو بدل چکی تھی۔ آخر اس سے نہ رہا گیا تو وہ بے چینی سے بولی۔ ”سر! کبھی کبھی یوں لگتا ہے جیسے شہر سے جرائم کا خاتمہ ہو گیا ہے، آج کل کتنی بوریت ہے۔“

اس سے پہلے کہ شاہ میر کوئی جواب دیتا، کریم خان حوالدار نے اندر آ کر سلوٹ کیا اور بولا۔ ”صاحب جی! ایک بی بی آپ سے ملنا چاہتی ہیں، باہر کھڑی ہوئی ہیں۔“

”بارش میں کیوں کھڑا کر رکھا ہے، انہیں بلا لو۔“ شاہ میر نے کہا۔

”نہیں سر جی! بارش میں کیوں کھڑا رکھتا، برآمدے میں ہیں، لاتا ہوں۔“

آنے والی ایک خوش شکل عورت تھی۔ اس کے ساتھ دو بچے بھی تھے۔ ایک لڑکا ایک لڑکی۔ لڑکے کی عمر کوئی چار سال ہوگی اور لڑکی چھ سال کی تھی۔ دونوں بچے خوبصورت تھے۔ عورت خود بھی حسین تھی لیکن چہرہ مرجھایا ہوا تھا۔ آنکھوں سے غم واندوہ کے آثار نظر آ رہے تھے۔

صفورا نے ہمدردی سے اسے بیٹھنے کی پیشکش کی اور عورت جھجکتے ہوئے بیٹھ گئی۔ دونوں بچوں کو بھی کرسیوں پر بٹھا دیا گیا۔

”جی بی بی۔ فرمائیے؟“

”سر، میں بڑی مشکل میں گرفتار ہو گئی ہوں، مجھ سے کوئی غلطی ہو جائے تو معاف کر دیجئے گا۔“ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

صفورا کو احساس ہوا کہ اس کا بدن بھی ہولے ہولے لرز رہا ہے۔ وہ بہت نروس نظر آ رہی تھی۔ اس نے نرم لہجے میں کہا۔ ”آپ پورے اطمینان سے بیٹھیں اور ہمیں بتائیں کہ کس مشکل میں گرفتار ہو گئی ہیں؟“

”سر! میرے شوہر کو اغوا کر لیا گیا ہے، میرا دنیا میں کوئی نہیں ہے، بس یہ دو بچے ہیں، شوہر ہیں اور میں۔ ہم بے سہارا ہو گئے ہیں سر۔ سر! آپ اللہ کے نام پر، ہماری مدد کریں، ہم جی نہیں سکیں گے، خودکشی کے سوا ہمارے پاس کوئی چارہ نہیں رہے گا، ہمیں حرام موت مرنے سے بچا لیجئے، ہمارے پاس کوئی وسیلہ نہیں ہے، ہماری مدد کیجئے سر۔“

عورت بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں روک رہی تھی۔ دونوں بچے اسے ہراساں نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ شاہ میر نے ہمدرد لہجے میں کہا۔ ”بی بی! حوصلہ رکھیں، آپ کے شوہر کو بازیاب کرانا ہماری ذمہ داری ہے، آپ یوں سمجھیں اپنے بھائی کے پاس آ گئی ہیں، آپ کا بھائی آپ کو مایوس نہیں کرے گا، مجھے اس اغوا کی تفصیل بتائیں۔“

”میرے شوہر کا نام علی رضا ہے۔ وہ کریم گروپ آف انڈسٹریز میں اسسٹنٹ منیجر کے عہدے پر کام کرتے ہیں۔ سر انہیں پچھلی رات اغوا کر لیا گیا ہے۔ کوئی ساڑھے نو بجے کا وقت تھا، ہم کھانے سے فارغ ہوئے تھے، کسی نے بیل بجائی اور رضا دروازے پر پہنچ گئے۔ کچھ دیر ان کی کسی سے باتیں کرنے کی آوازیں آئیں، پھر یہ آوازیں بند ہو گئیں۔ جب خاموشی چھا گئی اور وہ واپس نہیں آئے تو میں حیرانی سے دروازے پر گئی۔ ہمارے گھر کے باہر کچھ لوگ جمع تھے۔ یہ ہمارے پڑوسی تھے جو ہمارے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر وہ خاموش ہو گئے۔ پھر ایک بزرگ نے آگے بڑھ کر پوچھا۔ ”بیٹی۔ کون تھے یہ لوگ؟“

”کون لوگ؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”کالی کار والے جو رضا کو مار پیٹ کر کار میں ڈال کر لے گئے ہیں۔ یہ سن کر سر میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ سر! میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا، میں ہکا بکا ان لوگوں کی شکل دیکھتی رہ گئی۔ لوگ منتشر ہو گئے، میں تنہا رہ گئی۔ ساری رات میں دعائیں مانگتی رہی، دروازے کو تکتی رہی کہ خدا کرے رضا واپس آ جائیں۔ پھر صبح ہو گئی۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ میں نے صرف گھر میں زندگی گزاری ہے۔ جہاں بھی گئی، رضا کے ساتھ گئی۔ مجھے ان کے آفس کے بارے میں بھی معلوم نہیں کہ کہاں ہے۔ ہاں ان کے آفس کے فون نمبر معلوم ہیں، میں نے وہاں فون کیا، نو بجے کے بعد وہاں فون اٹھایا گیا لیکن کسی سے کوئی مدد نہیں ملی۔ گیارہ بجے جنرل منیجر صاحب آئے، میں نے انہیں فون پر رضا کے بارے میں خبر دی تو انہوں نے بس رسمی الفاظ کہے کہ ٹھیک ہے، دیکھتے ہیں، ہو سکتا ہے وہ خود واپس آ جائے۔ یہ جملے انہوں نے لاپروائی سے کہہ کر فون بند کر دیا۔ سر! اس کے بعد میں نے انہیں بار بار فون کیا لیکن انہوں نے فون نہیں اٹھایا۔ پھر آخری بار ریسپشنسٹ نے کہا کہ صاحب کسی کام سے چلے گئے ہیں۔ کسی نے میری نہیں سنی۔ پھر بڑی مشکل سے مجھے تھانے کا پتا ملا تو میں آپ کے پاس آ گئی۔ ہم بڑے بے سہارا لوگ ہیں، ہمارے پاس کوئی وسائل نہیں ہیں، ہماری مدد کیجئے۔“ اس کے ضبط کا بند ٹوٹ گیا۔ وہ سسک سسک کر رونے لگی۔

”کیا نام ہے آپ کا؟“ شاہ میر نے پوچھا۔

”عدیلہ رضا۔“ اس نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا۔

”ایک بات کہوں عدیلہ۔ حوصلہ دنیا کی سب سے بڑی قوت اور خالق کائنات سب سے بڑا وسیلہ اور سہارا ہے۔ آپ بالکل تنہا نہیں ہیں۔ اللہ ہر مظلوم کے ساتھ ہے۔ اگر آپ کے شوہر بے گناہ ہیں اور انہوں نے کوئی ایسا جرم نہیں کیا ہے جس کے نتیجے میں یہ ہوا ہے تو اللہ ان کی مدد کرے گا۔ ان شاء اللہ آپ کے شوہر واپس آ جائیں گے۔“

شاہ میر کے ان الفاظ کا اثر خاطر خواہ ہوا تھا۔ اس کی کیفیت کچھ سنبھل گئی۔ اس نے آنسو خشک کئے اور لرزتی آواز میں بولی۔ ”سر! میں بڑی خوف زدہ ہوں، پتا نہیں ایسا کیوں ہوا ہے، میں اپنے بچوں کو اسکول بھی نہیں بھیج سکتی۔“

”کچھ دن ان کی چھٹی کرا دیں۔ پولیس آپ کے گھر کے آس پاس پہرہ دے گی، آپ سے رابطہ بھی رکھے گی سادہ لباس میں۔ آپ پورا حوصلہ رکھیں۔“

اس نے گردن جھکا لی۔ کچھ لمحوں کے بعد شاہ میر نے کہا۔ ”اب مجھے میرے کچھ سوالات کے جواب دیں۔“

”جی سر۔“

”آپ کی تعلیم کتنی ہے؟“

”میں نے گریجویشن کیا ہے سر۔“

”خوب غور کر کے بتائیے کہ کبھی علی رضا نے ایسا کوئی تذکرہ کیا ہے جس سے اغوا کا خدشہ ظاہر ہوتا ہو؟“

”نہیں سر۔ انہوں نے کبھی کوئی ایسا ذکر نہیں کیا۔“

”جس کالے رنگ کی کار کا تذکرہ پڑوسیوں نے کیا ہے، اس کا نمبر کسی نے دیکھا؟“

”میں نے پوچھا تھا لیکن کسی نے نمبر نہیں دیکھا۔ ویسے بھی گھر کے سامنے اندھیرا تھا۔“

”جس علاقے میں آپ رہتی ہیں، وہاں کس قسم کے لوگ آباد ہیں؟“

”ملی جلی آبادی ہے پیر گڑھی کی۔ تھوڑے، بہت پڑھے لکھے لوگ رہتے ہیں، جاہلوں کی تعداد زیادہ ہے۔ خود غرض، کسی کے کام نہ آنے والے۔“ عدیلہ نے کہا۔

”ان کے دفتر سے بھی کسی نے آپ سے رابطہ نہیں کیا؟“

”نہیں سر۔ علی رضا کا سیل بھی میرے پاس ہے۔ اس پر کوئی کال بھی نہیں آئی حالانکہ میرے فون سے سب کو پتا چل گیا ہوگا کہ کیا ہوا ہے۔“

”علی رضا وہاں کب سے ملازم ہیں؟“

”سات سال ہو گئے۔“

”کمال ہے۔ ایک بات بتائیے، کیا وہ دفتر کی ناپسندیدہ شخصیت تھے؟“

”جی سر“

”وہ کیوں؟“

”سر! گروپ آف انڈسٹریز بہت بڑا ادارہ ہے، وہاں بڑے بڑے گھپلے ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی رضا نے مجھے بتایا ہے کہ لوگ اس ادارے کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں، ہر شخص لاکھوں سمیٹ رہا ہے۔ خود فرم کے جنرل منیجر کی کروڑوں کی جائداد ہے، ہر چیز آفیسر کے ڈیفنس میں دو بنگلے ہیں جبکہ پہلے وہ صرف کلرک تھا۔ علی رضا سے بھی کہا گیا کہ وہ بھی بہتی گنگا میں ہاتھ دھوئیں لیکن...... سر ہم اپنے بچوں کو حلال کھلانا چاہتے ہیں، اس لئے علی رضا سب کے لئے ناپسندیدہ شخصیت ہیں۔ منیجر ریاض نے بھی اسی وجہ سے اتنی بڑی خبر پر کوئی توجہ نہیں دی۔ علی رضا کہتے تھے کہ ریاض سے ان کی نہیں بنتی لیکن ملازمت بہت اچھی ہے، دوسری ملنا مشکل ہے۔“

”کچھ اور بتایا کبھی رضا نے؟“

”آفس کی باتیں وہ گھر میں نہیں کرتے تھے۔ کہتے ہیں گھر کو گھر رہنا چاہئے، آفس نہیں۔“

”ہوں...... آپ کے والدین وغیرہ؟“

”میرے والدین میرے بچپن میں ہی مر گئے تھے، چچا نے پرورش کی تھی، ان کا بھی انتقال ہو گیا، انہوں نے ہی میری شادی علی رضا سے کی تھی۔ رضا کا بھی کوئی نہیں ہے، یہ افتاد ناگہانی ہے، پتا نہیں...... پتا نہیں۔“ اس کی آنکھیں پھر بھیگ گئیں۔

”آپ خود کو پوری طرح سنبھال لیں عدیلہ۔ ہمیں بہت محتاط رہنا ہوگا۔ ہو سکتا ہے جن لوگوں نے انہیں اغوا کیا ہے، ان سے اختلاف دور ہونے پر رضا خود واپس آ جائیں۔ ہو سکتا ہے اس کے گروپ میں ہی کوئی اس سے غلط کام لینا چاہتا ہو اور وہ نہ کر رہا ہو، اس لئے اسے اغوا کیا گیا ہو، کوئی بھی بات ہو سکتی ہے۔ اس افتاد کا مقابلہ اسی طرح کیا جا سکتا ہے کہ آپ ہمت کریں، اپنی اور اپنے بچوں کی حفاظت کریں۔ اس بات کے امکانات ہیں کہ رضا سے توقعات پوری نہ ہونے پر وہ اسے مجبور کرنے کے لئے آپ کے بچوں کو کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کریں۔“

عدیلہ کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اس کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔ شاہ میر نے کہا۔ ”یہ خدشہ میں نے حفظ ماتقدم کے طور پر ظاہر کیا ہے تاکہ آپ محتاط رہیں۔ اچھا یہ بتائیں بچوں کا اسکول گھر سے کتنے فاصلے پر ہے؟“

”کافی دور ہے سر۔“

”وین سے جاتے ہیں؟“

”نہیں۔ پیدل چھوڑ کر آتی ہوں۔“

”آپ خود؟“

”جی ہاں۔“ عدیلہ نے گردن جھکا کر کہا اور شاہ میر سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے گردن اٹھا کر کہا۔ ”ہماری دعا ہے کہ آج ہی علی رضا گھر واپس آ جائیں، اگر ایسا نہ ہوا تو چند روز کے لئے آپ بچوں کو اسکول نہ بھیجیں۔ دو پولیس والے دن، رات آپ کے گھر کا پہرہ دیں گے۔ میں ان دونوں سے آپ کی شناسائی کرا دیتا ہوں۔“ شاہ میر نے اردلی کو بلا کر دو نام لئے اور دو مستعد سادہ لباس والے اندر آ گئے۔

”یہ رحیم خان اور یہ سعد اللہ ہیں۔ دونوں آپ کے گھر کے آس پاس ہر وقت موجود رہیں گے۔ ان کے فون نمبر لے لیں اور اپنا انہیں دے دیں۔ کوئی اہم ضرورت ہوئی تو یہ آپ کو فون کر لیں گے۔“

عدیلہ نے شاہ میر کی ہدایت کے مطابق عمل کیا تھا۔ شاہ میر نے کہا۔ ”آپ کی ایف آئی آر درج کر لی جائے؟“

”جی۔“ عدیلہ نے کہا۔ شاہ میر نے محرر کو بلا کر عدیلہ کی رپورٹ لکھوائی۔ اتنی دیر میں زمان شاہ آ گیا اور شاہ میر اسے تفصیل بتا کر ہدایات دینے لگا۔ ”زمان شاہ! موبائل میں بندے لے جاؤ، پتا نوٹ کر لو، لوکیشن بتاؤ، ہم آ رہے ہیں۔“

”یس سر۔“ زمان شاہ نے مستحکم آواز میں کہا اور علی رضا کے گھر کا پتا نوٹ کر کے باہر نکل گیا۔ کچھ لمحوں کے بعد شاہ میر بھی عدیلہ اور اس کے بچوں کو ساتھ لے کر صفورا کے ساتھ پیر گڑھی پہنچ گیا۔

عدیلہ کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ راستے میں اس نے آنسو بھری آواز میں کہا۔ ”سر آپ پولیس افسر ہیں، آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کیا رضا کو تاوان کے لئے اغوا کیا گیا ہے؟“

”نہیں عدیلہ بہن۔ ایسا کام کرنے والے یہ پتا لگا کر کام کرتے ہیں کہ اغوا شدہ بندے کے گھر والے تاوان دے سکتے ہیں یا نہیں یا ان کے رشتے دار یہ رقم ادا کریں گے یا نہیں۔ تاوان کے لئے ہر کسی کو اغوا نہیں کیا جاتا۔“

تھوڑی دیر کے بعد کار پیر گڑھی کے علاقے میں داخل ہو گئی۔ مطلوبہ گھر کے پاس پولیس موبائل کھڑی ہوئی تھی۔ پاس پڑوس کے لوگ آس پاس موجود تھے۔ اغوا کی خبر پورے علاقے میں پھیل گئی تھی۔

شاہ میر نے کار، موبائل کے پاس کھڑی کر دی اور صفورا سے کہا کہ وہ عدیلہ اور بچوں کے ساتھ گھر میں جائے۔ پھر اس نے زمان شاہ سے کہا کہ وہ ان لوگوں کو اکٹھا کرے جنہوں نے یہ اغوا آنکھوں سے دیکھا ہے۔ پھر وہ بھی علی رضا کے گھر میں داخل ہو گیا۔

چھوٹا سا گھر تھا۔ معمولی ساز وسامان سے آراستہ لیکن خوش سلیقگی کا مظہر۔ شاہ میر ان ضروری جگہوں کی تلاشی لینے لگا جہاں سے اغوا کی اس واردات پر کچھ روشنی پڑ سکتی تھی۔ الماریوں میں رکھے کاغذات اور فائلیں دیکھیں، کوئی اہم چیز نہیں ملی تھی۔

باہر زمان شاہ نے لوگوں سے پوچھ گچھ مکمل کر لی تھی۔ یہاں بھی کوئی خاص بات نہیں پتا چل سکی تھی۔ گاڑی کا نمبر کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ بس اتنا پتا چلا کہ نامعلوم کالی گاڑی میں کچھ لوگ آئے، علی رضا کو باہر بلایا، تھوڑی مار پیٹ ہوئی اور پھر وہ علی رضا کو گاڑی میں ڈال کر رواں ہو گئے۔

چند افراد کے نام گواہوں میں ڈالے گئے۔ پڑوسیوں نے علی رضا کے بارے میں اچھے تاثرات دیئے تھے۔ عدیلہ کو تسلیاں دینے کے بعد یہ لوگ وہاں سے چل پڑے۔ شاہ میر نے زمان شاہ سے کہا۔ ”تم صفورا کے ساتھ تھانے چلو، میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔“

وہ اس بڑی فرم کے ہیڈ آفس پہنچا جہاں رضا کام کرتا تھا۔ وہ سیدھا منیجر کے پاس پہنچا تھا۔ منیجر درمیانی عمر کا اچھی پرسنالٹی کا شخص تھا۔

”خیریت انسپکٹر صاحب، ہم سے کیا کام پڑ گیا؟“

”آپ کا اسسٹنٹ منیجر اغوا ہو گیا ہے، آپ نے پولیس سے رجوع کیا، نہ اس کی کوئی خبر گیری کی۔“ شاہ میر نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔

”وہ اپنے گھر سے اغوا ہوا ہے۔ ہم کسی کے ذاتی معاملات میں دخل اندازی نہیں کرتے۔ ہمارا تعلق صرف آفس تک ہے۔“

”ویری گڈ۔ آپ کسی سیارے سے آئے ہیں۔ اس سیارے کی لغت میں انسانیت کا لفظ ہے یا نہیں۔ اس کی بیوی نے آپ کو فون پر اطلاع دی۔ آپ نے پلٹ کر اسے فون تک نہیں کیا۔“

”یہ وردی جو آپ کے جسم پر ہے انسپکٹر صاحب، یہ بہت سے اختیارات دے دیتی ہے ورنہ اتنی سخت گوئی مناسب نہیں۔“ منیجر نے خشک لہجے میں کہا۔

”میں اسی اختیار کے حوالے سے آپ سے بات کر رہا ہوں۔ آپ کا فرض تھا کہ اغوا کا پتا چلنے کے بعد آپ فوری طور پر علی رضا کے گھر جا کر معلومات کرتے اور پھر پولیس کو اطلاع دیتے۔ آپ نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا، اس کی وجہ ضرور ہوگی۔“

”آپ مجھے اس اغوا میں ملوث کرنا چاہتے ہیں؟“

”مغوی کی بیوی نے فوری طور پر آپ سے رابطہ کیا لیکن آپ نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے یہ تفصیل اپنی ایف آئی آر میں درج کرائی ہے۔“

”چلئے آپ نے مجھ پر فرد جرم عائد کر دی۔ اب مجھے کیا کرنا ہوگا؟“

”آرام سے آپ اس ریوالونگ چیئر پر بیٹھ کر جھولا جھولیے، ضروری کارروائی کے لئے آپ کو تھانے طلب کیا جائے گا۔“ شاہ میر نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ پیچھے سے منیجر نے کچھ کہا تھا جو اس نے نہیں سنا تھا۔

منیجر کا رویہ عجیب تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اسے علی رضا سے کوئی پرخاش ہو۔ لیکن شاہ میر ذاتی رنجش کا قائل نہیں تھا۔ منیجر نے جو رویہ اختیار کیا تھا، وہ اس کے مزاج کے خلاف تھا لیکن وہ ابھی صورتحال کو جاننا چاہتا تھا۔ تھانے واپس آ کر اس نے صفورا سے اس بارے میں کافی غور وخوض کیا۔

”صفورا آپ فرصت نکال کر عدیلہ کے گھر چلی جائیں، اس کی تھوڑی سی دلجوئی کر دیں۔ خدا کرے علی رضا مل جائے، پتا نہیں کیا قصہ ہے۔“

اس شام چھ بجے کے قریب اسے ایک اجنبی نمبر سے فون موصول ہوا۔

”تھانہ انچارج صاحب ہیں؟“

”جی کہیے!“

”آپ تھانے میں موجود ہیں؟“

”ہاں، تھانے ہی سے بول رہا ہوں۔“

”بات کیجئے۔“ بولنے والے نے کہا۔ پھر ایک اور آواز سنائی دی۔ ”تھانیدار صاحب! آپ نے ہمیں اپنا نام بتایا، نہ کوئی نمبر دیا، بڑی مشکل سے تھانے کے بارے میں معلوم ہوا اور اس کا نمبر ملا۔“

”آپ کون ہیں؟“ شاہ میر نے پوچھا۔

”آج ہی ہماری ملاقات ہوئی ہے۔ آپ نے ہمیں مشورہ دیا تھا کہ ریوالونگ چیئر پر بیٹھ کر جھولا جھولیں۔ آپ ہمیں تھانے بلوائیں گے۔“

”جی۔ یاد آ گیا...... آپ کیا چاہتے ہیں؟“

”آنا چاہتے ہیں، آ جائیں، آپ کے تھانے سے زیادہ دور نہیں ہیں۔“

”تشریف لائیے۔“ شاہ میر نے کہا اور فون بند ہو گیا۔ شاہ میر عجیب کیفیت کا شکار ہو گیا۔ منیجر کی آمد اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ کچھ دیر کے بعد ہی وہ شاہ میر کے آفس میں داخل ہو گیا۔

”اپنے سیارے سے سیدھے چلے آ رہے ہیں آفیسر۔ کہئے کیسے مزاج ہیں؟“

”آپ کافی پُرمزاح ہیں۔ بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔“

”تھوڑی سی معلومات کی ہیں آپ کے بارے میں۔ پتا چلا کہ بھائی بڑی ٹیڑھی کھیر ہیں آپ۔ بھاگے چلے آئے کہ کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔“

”کاش! آپ اسی طرح علی رضا کے گھر بھی چلے جاتے، اس کی پریشان بیوی کو تسلی دینے کے لئے۔“

”بات اصل میں یہ ہے کہ ہم زمانہ ساز آدمی ہیں، بیوی اور بچوں کے ساتھ جینا چاہتے ہیں اور بدقسمتی سے ان الفاظ کی تشریح میرے لئے ممکن نہیں۔ آپ پولیس آفیسر ہیں اور نوجوان۔ خدا آپ کو اپنی امان میں رکھے، ہم کٹھ پتلیاں ہیں، اشاروں پر ناچنے والے، اگر ہم ان اشاروں پر نہ ناچیں تو ہماری ڈور ٹوٹ جائے گی، ہم بے جان پتلیوں کی طرح زمیں بوس ہو جائیں گے۔“

”جی۔“ شاہ میر آہستہ سے بولا۔ ”آگے فرمائیے؟“

”علی رضا میں ایک بڑی خرابی ہے کہ نیکیوں کا ٹھیکیدار ہے۔ اس سے کوئی غلط کام نہیں کرایا جا سکتا، کسی قیمت پر نہیں، اسی کا وہ شکار ہو گیا۔ میں نے اسے بڑی احتیاط سے سمجھایا تھا۔ اس نے سوچا زیادہ سے زیادہ اسے نوکری سے نکال دیا جائے گا۔ ایسا نہیں تھا۔ اس ادارے کی یہ خوبی ہے کہ اس کے چپراسی کو بھی نوکری سے نہیں نکالا جائے گا اور اگر کسی کی ٹرمینیشن اتنی ہی ضروری ہو تو اسے پھر بہت دور بھیج دیا جاتا ہے۔ میں نے وہاں علی رضا کے بارے میں کچھ نہیں کہا تھا کیونکہ میری آواز محفوظ نہیں تھی۔“

”جی اور اب؟“

”کچھ نہیں، یہ کچھ نام ہیں، انہیں رکھ لیں۔ شاید کام آ جائیں۔“ ریاض نے ایک لفافہ شاہ میر کو دے کر کہا۔

”ہو سکے تو میرا نام صیغۂ راز میں رکھنا ورنہ آپ کو میرے کیس پر بھی کام کرنا پڑے گا۔ ایک ایسا نام آپ کے سامنے لے رہا ہوں جو بہت سے رازوں کی چابی ہے۔ اس چابی پر قابو پا لیا تو ہر راز کا تالا کھل جائے گا۔“

”کون سا نام؟“

”خانیہ سکندر...... یہ ایک خاتون ہیں، بڑی سوشل ورکر۔ میرا خیال ہے کہ اس نام کو سب جانتے ہیں۔“

”گڈ...... مزید؟“ شاہ میر نے دلچسپی سے کہا۔

”ان کا دست راست ہے دلبر جانی! یہ ڈینی کلب میں پایا جاتا ہے، اسے وہاں سے ٹریس کیا جا سکتا ہے۔ یہ دو نام علی رضا کے سلسلے میں آپ کے کام آ سکتے ہیں۔“

”جی...... اور کچھ؟“ شاہ میر نے کہا۔

”بخدا اس وقت خود کو آزاد محسوس کر رہا ہوں۔ مزید کچھ معلوم ہوتا تو ضرور بتا دیتا۔ میں نے اس وقت بھی آنکھوں سے اشارے کئے تھے مگر آپ نہ سمجھے۔ اس کے بعد سے مسلسل آپ کے بارے میں سوچتا رہا اور پھر یہاں تک پہنچ گیا۔“

”خانیہ سکندر کے بارے میں کچھ اور بتا سکتے ہیں؟“

”جینے دو بھائی۔ مجھ پر ابھی بہت سی ذمہ داریاں ہیں۔ جتنا بتا دیا، وہی کئی دن تک خوف زدہ رکھے گا۔ اتنا بتا دیتا ہوں کہ وہ کریم گروپ کی سب سے بڑی شیئر ہولڈر ہے لیکن اصل نام سے نہیں، اتنا کافی ہے۔“

”ٹھیک ہے، ریاض صاحب۔ آپ کا شکریہ ضرور ادا کروں گا۔ ہو سکتا ہے آپ سے دوبارہ رابطے کی ضرورت پیش آئے۔“

”کرم کرنا، سب کچھ بتا چکا ہوں۔“

ریاض احمد کے جانے کے بعد شاہ میر دیر تک سوچ میں ڈوبا رہا۔ یہ دونوں نام اس کے لئے اجنبی تھے۔ خانیہ سکندر اور دلبر جانی۔ ریاض احمد نے علی رضا کے اغوا کے سلسلے میں یہ دو نام بلاوجہ ہی نہ لئے ہوں گے۔

زمان شاہ کی آمد نے خیالات کا سلسلہ توڑ دیا۔ زمان شاہ کچھ ضروری امور کے بارے میں بتانے لگا۔ جب اس کام سے فراغت ہوئی تو شاہ میر نے کہا۔ ”زمان شاہ! کبھی خانیہ سکندر کا نام سنا ہے؟“

”اچھی طرح سر۔“ زمان شاہ نے جواب دیا اور شاہ میر سنبھل کر بیٹھ گیا۔

”کون ہے؟“

”بڑی دبنگ عورت ہے، سوشل ورکر بھی ہے اور بڑی سرمایہ دار بھی۔ بڑے بڑے عہدیدار اس کے حضور حاضری دیتے ہیں۔ اکثر اخبارات اس کے گن گاتے ہیں۔“

”تعجب ہے، میرے علم میں یہ نام نہیں۔ کس طرح کی عورت ہے؟“

”کوئی ایسی ویسی بات نہیں سنی اس کے بارے میں۔“

”دلبر جانی کو بھی جانتے ہو؟“

”وہ خانیہ کا گرگا ہے۔“ اس نے کہا۔

”خانیہ سکندر کہاں رہتی ہے؟“

”گرین ایونیو میں عالیشان کوٹھی ہے۔“

”اسے چیک کرو۔ اس کے بارے میں تفصیلی رپورٹ چاہئے۔“

”بہتر۔“ زمان شاہ نے کہا۔

دوسرے دن تھانے پہنچا تو صفورا نکھری نکھری سامنے موجود تھی۔ ”کمال ہے۔“ شاہ میر نے حیران لہجے میں کہا۔

”جی سر کوئی خاص بات؟“

”حالانکہ میں نے پہلے کبھی ایسی باتوں پر توجہ نہیں دی۔“

”کیسی باتیں؟“ صفورا نے حیرت سے کہا۔

”ابھی آتے ہوئے راستے میں ایک فال کھولنے والا نظر آ گیا۔ پتا نہیں کیوں دل چاہا کہ طوطے سے اپنی تقدیر کے بارے میں معلوم کروں۔ طوطے نے لفافہ نکال کر دیا۔ جانتی ہو کیا لکھا تھا؟“

”نہیں۔“ صفورا ہنس کر بولی۔

”لکھا تھا دفتر میں اکیلی بیٹھی ہے، جلدی جاؤ۔“ شاہ میر نے کہا اور صفورا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ پھر سنجیدہ ہو کر بولی۔ ”علی رضا کے گھر گئی تھی، بڑی تسلیاں دی ہیں میں نے اسے، اس کا خوف کافی حد تک کم کیا ہے۔ خدا کرے علی رضا زندہ سلامت واپس آ جائے۔“

”صفورا کسی خانیہ سکندر کو جانتی ہو؟“

”بڑی اچھی طرح۔ مشہور عورت ہے خاص طور سے میں اسے اس طرح جانتی ہوں کہ کفایت حسین میرے ماموں ہیں، آپ سے ان کی ملاقات ہو چکی ہے۔“

”بیرسٹر کفایت حسین؟“ شاہ میر نے پوچھا۔

”ہاں۔ انہوں نے خانیہ سکندر کے بارے میں بتایا تھا کہ ان کے پاس قتل کا ایک کیس آیا تھا۔ ماموں جان کو علم ہو گیا کہ قاتل نے قتل کیا ہے۔ انہوں نے وہ کیس نہیں لیا لیکن قاتل آسانی سے بری ہو گیا۔“

”کیسے؟“

”ان لوگوں نے خانیہ سے دعا کرائی تھی۔“

”اوہ...... روحانیت سے بھی تعلق ہے۔“

”باقاعدہ نہیں، لیکن سنا ہے جس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کچھ پھونک دیتی ہیں، اس کے بگڑے کام بن جاتے ہیں۔“

”زبردست۔ اس کا مطلب ہے کہ اس بار پھر کیس ہمارے معیار کا ملا ہے۔“

”وہ کیسے؟“ صفورا نے دلچسپی سے پوچھا اور شاہ میر اسے ریاض احمد کی آمد اور اس سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتانے لگا۔ اس نے وہ لفافہ بھی صفورا کو دکھایا جس میں کچھ عمارتوں کی تصویریں تھیں اور کچھ کاغذات کی نقول تھیں۔

”ہمیں ان پر کام کرنا ہے۔ چھوٹی بات سے آغاز ہوا ہے یعنی علی رضا کا اغوا لیکن کیس کے ڈانڈے پھیلتے جا رہے ہیں۔ ویسے ایک بات سوچ رہا ہوں۔“

”کیا؟“

”دلبر جانی کی خصوصی نشاندہی کی گئی ہے۔ ریاض نے بتایا ہے کہ وہ خانیہ سکندر کا دست راست ہے۔ نام سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس قسم کا آدمی ہوگا۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ علی رضا کے سلسلے میں یہ دونوں نام یعنی خانیہ سکندر اور دلبر جانی بہت اہم ہیں، تو کیوں نہ دلبر جانی پر ہاتھ ڈال دیا جائے۔“

”گرفتار کریں گے؟“ صفورا نے پوچھا۔

”ہاں۔ کوئی بہتر ترکیب کریں گے۔“

”خانیہ سے براہ راست ٹکراؤ ہو جائے گا۔“

”اسے چھیڑنا چاہتا ہوں لیکن فوراً نہیں، ذرا اس کے بارے میں مزید تفصیل پتا چل جائے، زمان شاہ کام کر رہا ہے، تم کسی مناسب آدمی کو ان عمارات کی تلاش پر لگا دو۔ ہاں علی رضا کے گھر پہرہ جاری ہے؟“

”ہاں، میں نے بندوں کو مزید چوکس کر دیا ہے۔“ صفورا نے جواب دیا۔

دن کے دو بجے زمان شاہ نے اطلاع دی۔ ”گرین ایونیو کے کیس کے بارے میں رپورٹ پیش ہے سر۔ خانیہ بے پناہ دولت مند عورت ہے، کئی انڈسٹریز کی مالک ہے لیکن فقیر منش ہے۔ بہت سے خیراتی ادارے چلاتی ہے۔ بڑے بڑے عہدیداروں کے تبادلے کراتی اور رکواتی ہے۔ اس کے دربار میں ہر ایک کا گزر ہے۔ وہاں غریب لوگ بھی دیکھے جاتے ہیں اور فلیگ والی گاڑیوں کے مالک بھی۔ علاقے اور کوٹھی کے بارے میں بتا چکا ہوں، اس کی اپنی سیکورٹی ہے۔“

”ٹھیک، کافی ہے۔“ شاہ میر نے کہا۔

☆......☆......☆

ڈینی کلب کی عمارت بے حد خوبصورت تھی۔ ظاہر ہے ایسی جگہوں پر آنے والے بھی معمولی لوگ نہیں ہوتے۔ پارکنگ میں قیمتی گاڑیوں کی لائنیں لگی ہوئی تھیں۔ پولیس موبائل ان گاڑیوں سے کچھ فاصلے پر کی تھی اور اس سے کئی پولیس کے جوان نیچے اترے تھے۔ کلب کے کچھ قوانین بے شک تھے لیکن قانون کے رکھوالوں کے راستے نہیں روکے جا سکتے اور پھر شاہ میر جیسا سر پھرا افسر اگر کسی سلسلے میں فری ہینڈ دے دے تو ہر کام کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ زمان شاہ نے کسی طرف توجہ نہیں دی تھی اور دندناتا ہوا کلب میں داخل ہو گیا۔

جیسے ہی اس نے اندر قدم رکھا، ایک چھریرے بدن کا آدمی اس کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے مدھم لہجے میں کہا۔ ”اس راہداری سے بائیں سمت ہال نمبر پانچ ٹیبل نمبر بیس گرے کلر کے سوٹ میں ملبوس، اپنی میز پر اکیلا ہے۔“ یہ کہہ کر وہ شخص جس طرف سے آیا تھا، واپس چلا گیا۔

زمان شاہ نے ہاتھ کے اشارے سے ساتھ آنے والوں کو اپنے پیچھے آنے کے لئے کہا اور راہداری میں آگے بڑھ گیا۔ بائیں سمت گھوما تو ہال نمبر پانچ کا ہندسہ نظر آ گیا۔ ہال کے اندر سے موسیقی کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ شاہ زمان نے خود کار دروازہ کھولا اور پولیس والے دھڑا دھڑ اندر گھس گئے۔ اندر داخل ہو کر زمان شاہ نے بیس نمبر ٹیبل تلاش کی۔ ان میزوں پر بھی نمبر پڑے ہوئے تھے۔ پولیس کے جوان اس میز کے گرد جا کھڑے ہوئے۔

کلب میں یہ پہلا واقعہ تھا۔ اندر موجود لوگوں کے منہ حیرت سے کھل گئے۔ ہال کے سپروائزر نے دور سے یہ منظر دیکھا اور دوڑتا ہوا زمان شاہ کے پاس پہنچ گیا۔ ”کیا بات ہے جناب، آپ لوگ اس طرح؟“ اس کے منہ سے نکلا لیکن زمان شاہ نے اس کی طرف توجہ نہیں دی اور پستول نکال کر گرے کلر کے سوٹ والے کی پیشانی سے لگا کر بولا۔ ”دلبر جانی، کھڑے ہو جاؤ۔“

گرے کلر کے سوٹ والے کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ اس کا چہرہ ہی خطرناک تھا۔ آنکھیں خونیوں جیسی تھیں۔ اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”کیا تم نشے میں ہو یا پاگل ہو گئے ہو؟“

”تمہارا نام دلبر جانی ہے؟“

”ہاں ہے۔ پھر؟“

”کھڑے ہو جاؤ۔“ زمان شاہ نے سخت لہجے میں کہا۔

”تمہاری زندگی کے دن پورے ہو گئے ہیں شاید۔“ دلبر جانی غصے سے بے قابو ہو گیا۔ اس نے پستول پر ہاتھ مارنے کی کوشش کی لیکن زمان شاہ نے اس کی ٹائی پکڑ لی اور اسے کھینچ کر کرسی سے کھڑا کر دیا۔ ٹائی کی گرہ اس کی گردن پر کس گئی تھی اور اس کا دم گھٹنے لگا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ زمان شاہ نے اسے پولیس مینوں کی طرف دھکا دیا اور بولا۔ ”ہتھکڑی لگا دو۔“

اسی وقت برابر کی میز سے ایک خوش پوش شخص نے کھڑے ہو کر کہا۔ ”آفیسر تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے، یہ معزز لوگوں کا کلب ہے، یہاں سے کوئی کسی کو اس طرح گرفتار کر کے نہیں......“

زمان شاہ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے کرسی پر بٹھا دیا اور بولا۔ ”جو کچھ کہا جا رہا ہے، اس میں کوئی مداخلت نہ کرے ورنہ خود ذمہ دار ہوگا۔ ہم ایک مجرم کو گرفتار کر رہے ہیں، کوئی کچھ نہ بولے۔“ یہ کہہ کر زمان شاہ نے دلبر جانی کو دھکا دیا۔ اور وہ گرتے گرتے بچا۔ پولیس والوں نے اسے ہتھکڑی لگا دی اور آگے کھینچنے لگے۔

اچانک دلبر رکا۔ اس نے پلٹ کر چیختے ہوئے کہا۔ ”نہیں، کوئی غیر قانونی حرکت نہ کی جائے۔ ہم قانون کا احترام کرتے ہیں۔ اس پولیس افسر کے کفن دفن کا انتظام میں خود کروں گا۔“ دلبر نے یہ الفاظ کسی خاص شخص کو مخاطب کر کے نہیں کہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کچھ نامعلوم لوگوں کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہو۔

زمان شاہ اسے ٹھوکریں مارتا ہوا باہر لے آیا۔ باہر آ کر پولیس والوں نے دلبر جانی کو سامان کے بورے کی طرح اٹھا کر موبائل وین میں پھینک دیا اور اوپر چڑھ گئے۔ غالباً شاہ میر نے کسی خاص منصوبے کے تحت زمان شاہ کو دلبر جانی کے ساتھ یہ روش اختیار کرنے کی ہدایت کی تھی۔

وین چل پڑی۔ دلبر جانی کا چہرہ آگ ہو رہا تھا۔ آنکھیں گہری سرخ ہو رہی تھیں، دانت بھینچے ہوئے تھے۔ راستے بھر وہ کچھ نہ بولا۔ تھانے کے احاطے میں بھی اسے اسی بے دردی سے اتارا گیا اور ڈرائنگ روم میں پہنچا دیا گیا۔ یہاں اسے ایک بینچ پر بٹھا دیا گیا، تب پہلی بار اس نے زبان کھولی اور بولا۔ ”تھانہ انچارج کہاں ہے؟“

”علی رضا کہاں ہے؟“ زمان شاہ نے سانپ کی طرح پھنکارا۔

دلبر بری طرح چونکا لیکن دوسرے لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا۔ ”کون علی رضا؟“

جواب میں زمان شاہ کا الٹے ہاتھ کا تھپڑ اس کے منہ پر پڑا۔ دلبر جانی خود بھی اپنے تن وتوش سے کافی طاقتور نظر آتا تھا لیکن یہ تھپڑ ہتھوڑے کی طرح اس کے گال پر پڑا تھا اور ایک لمحے تک اس کا منہ ٹیڑھا رہا تھا۔ وہ منہ ہلا کر جبڑے کو سیدھا کرتا رہا۔ پھر اس نے خود کو سنبھالا اور بولا۔ ”سب انسپکٹر! تم نے مجھے ایک ایسے کلب سے اغوا کیا ہے جہاں شہر کے معزز ترین لوگ آتے ہیں۔ وہ سب تمہارے خلاف گواہی دیں گے اور جو کچھ تم نے کیا ہے، اس کی وہ سزا ہوگی کہ تمہاری نسلیں بھی یاد رکھیں گی۔ اپنے انچارج سے میری بات کراؤ، تم ضرور مجھے کسی غلط فہمی میں پکڑ لائے ہو۔“

”بکواس کر چکے؟“ زمان شاہ نے سرد لہجے میں کہا۔

”میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، وہ بکواس نہیں ہے۔ میں تمہیں معاف کر سکتا ہوں کیونکہ تم سے غلطی ہو گئی ہے ورنہ دوسری صورت میں تمہیں وارننگ دے رہا ہوں کہ تمہیں زندگی بھر اپنے اس عمل پر افسوس......“

اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے زمان شاہ نے ایک گھونسہ اس کے جبڑے پر رسید کیا اور وہ بینچ کی دوسری طرف جا گرا۔ اس بار اس کے منہ سے خون نکل پڑا تھا۔

”میں پھر تجھے سمجھا رہا ہوں باز آ جا۔“ دلبر جانی نے کہا اور پھر گالیاں بکنے لگا۔

”ہتھکڑی کھولو اس کی۔“ زمان شاہ نے کہا۔ پتا نہیں شاہ میر نے اسے کیا ہدایات دی تھیں۔ دلبر کی ہتھکڑی کھول دی گئی۔ اس نے پہلے اپنے منہ سے بہتا خون صاف کیا پھر دونوں ہاتھ ٹکا کر اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن زمان شاہ نے اسے ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ کئی بار دلبر جانی کے حلق سے چیخیں نکل گئی تھیں۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ سامنے والا ابھی کوئی وحشی شخص ہے اور اب اس کے حواس درست ہوتے جا رہے تھے۔ اس نے پھٹی پھٹی آواز میں کہا۔ ”رک جاؤ، رک جاؤ۔ مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟“

”علی رضا کہاں ہے؟“ زمان شاہ بھیڑئیے کی طرح غرایا۔

”بتاتا ہوں، رک جاؤ۔ میری پسلیوں میں چوٹ لگ گئی ہے، پسلی ٹوٹ گئی ہے شاید...... رکو بتاتا ہوں۔“ اس نے زمان شاہ کا چہرہ دیکھا جو بے حد بھیانک ہو گیا تھا۔ فاصلے پر کھڑے پولیس والے بھی حیران تھے۔ کبھی کبھی انہوں نے اسے مجرموں کی زبان کھلواتے ہوئے دیکھا تھا لیکن اس حد تک اس نے کبھی تشدد نہیں کیا تھا۔

”اٹھو۔“ زمان شاہ نے کہا اور خوفناک انداز میں آگے بڑھا۔ دلبر جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ زمان شاہ نے اسے پھر بینچ پر بیٹھنے کے لئے کہا۔

”پانی...... ایک گلاس پانی۔“

”علی رضا کہاں ہے، صرف یہ بتاؤ؟“ زمان شاہ نے کہا۔ زمان شاہ نے ٹھوکر مارنے کے لئے پاؤں اٹھایا۔

”پیلی کوٹھی میں۔“ وہ جلدی سے بولا۔

”کہاں ہے یہ پیلی کوٹھی؟“

”نئی آبادی، ایئرپورٹ کے پاس۔ نئی آبادی میں داخل ہو کر سیدھے ہاتھ چلے جاؤ، کمپنی کے بنائے ہوئے گھر ہیں، پیلی کوٹھی آخری ہے۔“

زمان شاہ نے کچھ سوچا۔ پھر اس نے اے ایس آئی دلاور خان کے بارے میں پوچھا اور اسے طلب کر لیا۔ دلاور خان نے اندر آ کر سلوٹ کیا۔

”دلاور! نفری تیار کرو، چھاپہ مار کر بندہ برآمد کرنا ہے، جلدی کرو اور سنو تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہے۔“ اس نے دلبر جانی سے کہا اور وہ ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

زمان شاہ اس خطرناک آدمی کو ایک منٹ کے لئے نظروں سے اوجھل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ نیز وہ اس کام میں دیر بھی نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس نے اسے کلب سے اٹھایا ہے، عین ممکن ہے وہاں اس کے ساتھی بھی ہوں اور انہوں نے اس کا پیچھا بھی کیا ہو۔ اس سے پہلے کہ کوئی گڑبڑ ہو جائے، کام پورا ہو جانا چاہئے۔ دلبر جانی کا منہ ہاتھ دھلوایا گیا، اسے پانی بھی پلوایا گیا لیکن جب دلبر جانی کو ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ڈالی گئیں تو وہ پھر غضبناک ہو گیا۔

”جتنی جلدی ہو میرا ان کاؤنٹر کر دینا۔ تیرے ہاتھ سے نکل گیا تو تیری نسل ختم کر دوں گا۔ میں تیرا بندہ آزاد کرا رہا ہوں اور تو میرے ساتھ یہ سلوک کر رہا ہے؟“

زمان شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ باہر پولیس کی نفری تیار ہو گئی تھی۔ پولیس کی ایک بڑی گاڑی اور جیپ چل پڑی جس میں مسلح پولیس والے خاصی تعداد میں تھے۔ پولیس کی دونوں گاڑیاں برق رفتاری سے فاصلے طے کر رہی تھیں۔ دلبر جانی پر جو بیت رہی تھی، اسی کا دل جانتا تھا۔ آج رات تک اس نے جو زندگی گزاری تھی، وہ یوں تھی کہ اس کی ناک پر مکھی تک نہیں بیٹھ سکتی تھی لیکن اب وہ جس حالت سے گزر رہا تھا، وہ کبھی اس کے تصور میں بھی نہیں آئی ہوگی اور خاص طور سے ان دنوں وہ جن بلندیوں سے گزر رہا تھا، وہ تو اس کی زندگی کا سب سے سنہری دور تھا۔ اسے یقین دلا دیا گیا تھا کہ وہ ایک آزاد درندہ ہے جس کا کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا۔

آخر کار گاڑیاں مطلوبہ علاقے میں داخل ہو گئیں۔ پیلی کوٹھی کی نشاندہی دلبر نے ہی کی تھی۔ کوٹھی تاریک اور سنسان پڑی تھی۔ گاڑیاں اس سے تھوڑے فاصلے پر رک گئیں۔ ایک اے ایس آئی کو دلبر جانی پر مستعد کر دیا گیا اور وہ پستول کی نال اس کی پسلیوں سے لگا کر بیٹھ گیا۔

زمان شاہ نیچے اترا اور کچھ کانسٹیبلوں کو ساتھ لے کر کوٹھی کی طرف بڑھ گیا۔ چند لمحے سن گن لینے کے بعد اس نے اشارہ کیا اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ گیٹ کے دوسری طرف کود گیا لیکن دوسرے لمحے کوٹھی میں روشنیاں ہونے لگیں اور یہ لوگ خود بھی روشنیوں کی زد میں آ گئے۔ اندر سے فوراً ہی ایکشن ہوا اور فائرنگ شروع ہو گئی۔ خوش قسمتی سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا کیونکہ یہ فائرنگ بدحواسی میں کی گئی تھی۔ ان لوگوں نے فوراً پوزیشن لے لی اور پھرتی سے آگے بڑھ کر ایک محفوظ جگہ پہنچ گئے۔

باہر موجود پولیس کے جوانوں نے صورتحال کا اندازہ لگانے کے بعد خود بھی فائرنگ شروع کر دی اور رات کا سناٹا فائرنگ کی ہولناک آواز سے گونجنے لگا۔

پیلی کوٹھی کے اطراف زیادہ لوگ آباد نہیں تھے کیونکہ یہ نئی آبادی تھی۔ پھر بھی اکا دکا گھر روشن ہونے لگے لیکن ان گھروں سے کسی نے باہر آنے کی جرأت نہیں کی تھی۔ زمان شاہ اندر سے چلائی جانے والی گولیوں سے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اندر کتنے آدمی ہو سکتے ہیں۔ محتاط اندازے کے مطابق ان کی تعداد تین چار سے زیادہ نہیں تھی۔ ابتداء میں تو اندر سے زبردست فائرنگ کی گئی لیکن آہستہ آہستہ اس میں کمی آنے لگی۔

زمان شاہ تجربہ کار افسر تھا۔ اس نے صورتحال کا اندازہ لگانے کے بعد اپنے ساتھ موجود اے ایس آئی کو اشارہ کیا اور محفوظ طریقے سے آگے بڑھ کر کوٹھی کے مین گیٹ سے اندر داخل ہو گیا۔ اندر سے فائرنگ رک گئی تھی۔ یہ لوگ آہٹ لیتے رہے۔ لیکن لگ رہا تھا کہ اب یہاں کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ زمان شاہ نے ٹارچ روشن کی۔ یہ ایک بہت بڑا ہال تھا جس میں کئی دروازے تھے۔ اسے سوئچ بورڈ نظر آ گیا اور اس نے پھرتی سے آگے بڑھ کر روشنی کر دی۔ اس صورتحال سے واقف ہو کر باہر سے دوسرے پولیس والے بھی بھرا مار کر اندر گھس آئے اور کوٹھی کی تلاشی لی جانے لگی۔ کوٹھی کے مکین پُراسرار طور پر غائب ہو گئے تھے لیکن ایک کمرے سے انہیں ایک نوجوان شخص مل گیا جس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے اور اس کے منہ پر ٹیپ لگا ہوا تھا۔

زمان شاہ کا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ اس کے اندازے کے مطابق یہ علی رضا ہی ہو سکتا تھا۔ بندھے ہوئے شخص کے منہ سے ٹیپ ہٹا کر اس کے ہاتھ پاؤں کھولے گئے۔ وہ بری طرح نڈھال تھا، اس پر شدید تشدد کیا گیا تھا، بدن پر جگہ جگہ زخموں کے نشان تھے۔

”تم علی رضا ہو؟“ زمان شاہ نے پوچھا۔

”جی سر۔“ اس نے نحیف آواز میں کہا۔

اسے سہارا دے کر باہر لایا گیا۔ ایک بار پھر پوری عمارت کی تلاشی لی گئی۔ وہاں کسی ذی روح کا نشان نہیں ملا۔ یہاں موجود لوگ پچھلے راستے سے باہر نکل گئے تھے۔ کوئی خاص چیز بھی نہیں ملی۔ خطرناک جگہ تھی اس لئے وہاں پولیس کے جوانوں کو نہیں چھوڑا گیا اور پولیس پارٹی عمارت سے واپس چل پڑی۔ علی رضا حیرت انگیز طور پر آسانی سے برآمد ہو گیا تھا اور زمان شاہ اس غیر متوقع کامیابی پر بہت خوش تھا۔ دلبر جانی مہر بخود بیٹھا ہوا تھا۔ پتا نہیں اس کے کیا تاثرات تھے۔

لیکن بات اتنی سادہ نہیں تھی۔ ابھی یہ نئی آبادی کے آخری سرے پر ہی پہنچے تھے کہ اچانک پولیس کی گاڑیوں پر اندھا دھند فائرنگ شروع ہو گئی۔ شاید جان بوجھ کر صرف ٹائروں کو نشانہ بنایا گیا تھا۔ اس خوفناک عمل کی توقع نہیں تھی۔ دونوں گاڑیوں کے ٹائر دھماکوں سے پھٹ گئے۔ ابھی یہ لوگ سنبھل بھی نہ پائے تھے کہ ایک گولہ گاڑیوں کے قریب آ کر پھٹا اور سفید دھوئیں کا غبار فضا میں پھیل گیا۔ پھر یکے بعد دیگرے ویسے ہی کئی گولے ان کے آس پاس گرے اور فضا میں شدید گیس پھیل گئی۔

زمان شاہ کو ایک لمحے میں احساس ہو گیا کہ یہ گیس بے ہوش کرنے والی ہے۔ پولیس بھی اکثر یہ گیس چھپے ہوئے مجرموں کو پکڑنے کے لئے استعمال کرتی ہے۔ اس نے چیخ کر ساتھیوں کو ہوشیار کرنے کی کوشش کی لیکن وہ خود بھی نہیں سنبھل سکا تھا۔ گیس اتنی سریع الاثر تھی کہ ایک لمحے میں کام ہو گیا۔ زمان شاہ کو ہلکی سی کھانسی آئی اور پھر اس کا ذہن بوجھل ہوتا گیا۔ اس نے ہاتھ پاؤں مار کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن کچھ نہ ہو سکا اور اس کے حواس جواب دے گئے۔

☆......☆......☆

بہت سنگین حادثہ تھا۔ پولیس والے بے ہوش ضرور ہوئے تھے لیکن شکر تھا کہ کسی کی جان نہیں گئی تھی البتہ وہ لوگ علی رضا کو دوبارہ لے گئے تھے۔ دوسری اہم بات یہ ہوئی تھی کہ علی رضا کو دوبارہ لے جانے والوں کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ دلبر جانی بھی پولیس کے ساتھ موجود ہے۔ ظاہر ہے دلبر جانی بھی گیس کی وجہ سے بے ہوش ہو گیا تھا، اس لئے وہ انہیں اپنے بارے میں نہیں بتا سکا ورنہ وہ اسے بھی ساتھ لے جاتے۔ چنانچہ دلبر جانی بدستور پولیس کی تحویل میں تھا لیکن اس حادثے سے افسران بالا بے تعلق نہیں رہے اور شاہ میر کو پوری رپورٹ افسران اور متعلقہ حکام کو پیش کرنی پڑی۔

سب سے دلچسپ صورتحال اس وقت پیش آئی جب کئی بڑے افسر تھانے میں آئے اور شاہ میر سے اس حادثے کے بارے میں پوچھ گچھ ہونے لگی۔ ظاہر ہے شاہ میر کو دلبر جانی کے بارے میں بھی بتانا پڑا۔ ایک بڑے افسر نے چونک کر کہا۔ ”کیا نام بتایا آپ نے انسپکٹر؟“

”دلبر جانی۔“

”ذرا اسے بلائیے۔“ اعلیٰ افسر نے کہا۔ اور شاہ میر نے دلبر کو لاک اپ سے آفس میں طلب کیا۔ دلبر کی حالت کافی خراب ہو رہی تھی۔ افسر اعلیٰ اسے دیکھ کر چونک پڑا اور بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔ ”ارے دلبر صاحب آپ؟“

”ہاں! پہچان لیا ہمیں ذوالفقار صاحب۔ ہم ہی ہیں آپ کے خادم، حال دیکھ لیں ہمارا۔ آپ کے ان تیس مار خانوں نے کیا ہے اور یہ نہ سمجھیں آپ کہ یہ مذاق معمولی رہے گا۔ آپ نے ہمیں چھیڑا ہے اور ہم چھیڑنے والوں کو نہیں چھوڑتے۔ کہا تھا ہم نے اس گبر سنگھ سے کہ ان کاؤنٹر کر دے ہمارا ورنہ......“

”انسپکٹر شاہ میر، آپ دلبر صاحب کو نہیں پہچانتے۔“

”نہیں سر۔ ان سے میرا ابھی تعارف نہیں ہوا۔“

”کمال کرتے ہیں آپ، کیسے پولیس افسر ہیں، اتنے اہم لوگوں کو نہیں پہچانتے۔ آپ کو ان کی شناخت ہونی چاہئے، آپ معزز لوگوں اور لچے لفنگوں کا فرق نہیں سمجھتے۔ یہ کیا کیا آپ نے، اتنی بڑی شخصیت کے ساتھ یہ سلوک کر کے آپ نے اپنے لئے جتنا گہرا گڑھا کھودا ہے، آپ اندازہ نہیں کر سکتے۔“

”سر، میری ان سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ اس وقت بھی پہلی بار میں انہیں دیکھ رہا ہوں۔“

افسر اعلیٰ نے شاہ میر کی بات پر توجہ نہیں دی تھی۔ انہوں نے میز پر گھونسا مارتے ہوئے شدید غصے سے کہا۔ ”بہت غلط کام کیا ہے آپ نے، آپ کو اندازہ نہیں ہے۔ آپ دلبر صاحب براہ کرم تشریف رکھئے۔“

”نہیں ذوالفقار صاحب، تشریف رکھنے کا مطلب ہوگا کہ بات ختم ہو گئی، یہ اب مشکل ہے، یہ جھگڑا لمبا چلے گا، بہت کچھ اوپر نیچے ہوگا، بڑے کام ہوں گے۔“ دلبر جانی نے زہریلے لہجے میں کہا۔

”آپ نے انہیں ڈینی کلب سے گرفتار کیا ہے؟“

”سر، ایک ایس آئی نے انہیں کلب سے اٹھایا ہے۔“ شاہ میر نے کہا۔

”آپ کہاں تھے؟“

”میں دوسرے کیس پر کام کر رہا تھا۔“

”ایس آئی کہاں ہے؟“

”راؤنڈ پر ہے سر۔“

”مگر گرفتاری تو آپ کی ہدایت پر ہوئی ہوگی؟“

”جی سر۔ ایف آئی آر ہے ان کی۔“ شاہ میر مشکل سے خود پر قابو پا رہا تھا۔

”اور تشدد بھی کیا گیا ہے؟“

”اس کا رزلٹ بھی ملا ہے سر۔ پوری رپورٹ پڑھ لیجئے، ان کی نشاندہی پر مغوی برآمد ہوا تھا، ان کے آدمیوں نے پولیس پارٹی پر قاتلانہ حملہ کر کے مغوی کو دوبارہ اغوا کیا ہے۔“

”ان کے گروہ نے حملہ کیا اور انہیں چھوڑ گئے؟“

”انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ ہمارے ساتھ ہیں۔ یہ خود بھی بے ہوش ہو گئے تھے۔ سر! کیس سنگین نوعیت کا ہے، اغوا کی ایف آئی آر درج ہے، باقی کام بعد میں ہوگا۔“ شاہ میر نے صبر وسکون سے کہا۔

”یہ ایک معزز آدمی ہیں، اس کی گواہی میں دیتا ہوں۔“ افسر صاحب نے کہا۔

”یہ گواہی عدالت میں ہی دی جا سکتی ہے سر۔ جاؤ انہیں لاک اپ میں لے جاؤ۔“ شاہ میر نے پتھریلے لہجے میں کہا اور دلبر جانی کو لانے والے اسے دھکے دیتے ہوئے باہر نکال لے گئے۔

(جاری ہے)

قسط : 2

ایم اے راحت

افسراعلیٰ کا چہرہ ایک لمحے کے لئے سرخ ہوگیا۔ ان کی مٹھیاں بھنچ گئی تھیں جو کچھ لمحوں کے بعد کھل گئیں۔ پھرانہوں نے کہا۔ ''پہلی کوٹھی کے بارے میں آپ نے معلوم کیا کس کی ملکیت ہے۔ نیز یہ کہ آپ کے پاس ٹھوس ثبوت ہے کہ علی رضا کو دلبر جانی نے ہی اغوا کیا ہے اور وہ لوگ دلبر جانی کے ہی آدمی تھے جنہوں نے علی رضا کو دوبارہ اغوا کیا؟''

''سر انہوں نے مغوی کی نشاندہی کی تھی اور اسی نشاندہی پر ہم پہلی کوٹھی پہنچے تھے جہاں سے مغوی دستیاب ہوا تھا۔ اس کے بعد کیا گنجائش رہ جاتی ہے۔''

''گنجائش نکالنی پڑتی ہے شاہ میر صاحب۔ بندے بندے کو دیکھنا پڑتا ہے۔ سب کو علم ہے وہ خانیہ سکندر کا خاص آدمی ہے اور خانیہ سکندر کیا ہے، یہ آپ جانتے ہیں۔''

''سر، آپ کی یہ وردی ایک ہزار خانیاؤں سے زیادہ طاقتور ہے۔'' شاہ میر نے کہا، اور اس کے ان الفاظ نے افسراعلیٰ کو کافی نرم کر دیا۔ انہوں نے کہا۔ ''محکمہ پولیس میں آپ کو مجرم خور کہا جاتا ہے، غلط نہیں ہے لیکن حالات کس قدر بگڑے ہوئے ہیں۔ قانون خود قیدی ہے۔ خیر ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھاؤ۔ اس واردات کی خبر تفصیل سے اخبارات میں آنی چاہئے۔''

''جی سر، اگر اس کی ضمانت کی کوشش کی جائے۔''

''سختی سے ٹال جاؤ۔ کہو ابھی تفتیش جاری ہے۔'' افسراعلیٰ نے کہا۔ پھر بولے۔ ''میرا رویہ سخت ہی رہے گا، اسے محسوس مت کرنا، مقابلہ بہت سخت ہوگا ہمارے لئے۔ ویسے تمہیں اپنی زندگی اور نوکری ہمیشہ داؤ پر لگانے کا شوق کیوں ہے۔''

شاہ میر مسکرا کر خاموش ہوگیا تھا۔

☆......☆......☆

علی رضا کو ہوش آ گیا۔ آنکھیں خود کھلی تھیں اور مشکل سے یقین آیا تھا کہ وہ زندہ ہے۔ حواس آہستہ آہستہ جاگ رہے تھے۔ پہلا احساس یہ تھا کہ یہ قید خانہ نہیں ہے۔ پھر یہ کون سی جگہ ہے۔ اسے گزرے لمحات یاد آنے لگے۔ اس کے قید خانے پر پولیس نے ریڈ کیا تھا۔

خوب گولیاں چلی تھیں اور پھر پولیس نے اسے آزاد کرلیا تھا اور اسے لے کر چل پڑی تھی۔ اس کے بعد راستے میں کچھ ہوا تھا وہ زخمی تھا، اس کے حواس قابو میں نہیں تھے، پھر وہ کیسے بے ہوش ہوگیا تھا اور اب اس کی نامانوس جگہ آنکھ کھلی تھی۔

لیکن یہ پولیس اسٹیشن تو نہیں ہے۔ اس نے گردن گھما کر چاروں طرف دیکھا اور مدھم روشنی میں اسے جو کچھ نظر آیا، اس نے اس کے حواس معطل کر دیئے۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ وہ اس کی بیوی عدیلہ تھی جو ایک کرسی پر بیٹھی سو رہی تھی۔ وہ خود ایک آرام دہ بیڈ پر لیٹا تھا۔

وہ بے اختیار اٹھ گیا اور اس کے منہ سے دہشت بھری آواز نکلی۔ ''عدیلہ۔''

عدیلہ ہڑبڑا کر جاگ گئی۔ بے اختیار ہو کر کرسی سے اٹھی اور اس کے قریب پہنچ گئی۔ اس نے علی رضا کے پاؤں چھوتے ہوئے کہا۔ ''آپ، آپ ٹھیک ہیں، آپ کو ہوش آ گیا۔'' عدیلہ کی آواز آنسوؤں اور مسرت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے تھے اور ہونٹ خوشی سے مسکرا اٹھے تھے۔ ''ہوش آ گیا آپ کو...... کیسی طبیعت ہے۔ کوئی تکلیف تو نہیں۔''

''اب نہیں ہے، پہلے تھی۔ وہ تکلیف یہ تھی کہ میں تم سے دور بچوں سے جدا ہوں اور تم میرے لئے پریشان ہوگی۔ بچے مجھے یاد کر رہے ہوں گے۔ مگر عدیلہ خدا کے لئے مجھے بتاؤ، یہ کون سی جگہ ہے، بھلا......!''

''آپ کو کافی زخمی کیا گیا ہے۔'' عدیلہ کی آواز سسکی کے ساتھ نکلی۔

علی رضا نے چونک کر اپنے زخموں کو دیکھا، پھر بے اختیار بولا۔ ''اوہ میرے زخموں پر بینڈیج بھی کی گئی ہے۔ بتاؤ یار۔ کیا ہے یہ سب۔'' وہ سر جھٹکنے لگا۔

''میں بتاتی ہوں۔ انہوں نے کہا تھا آپ ہوش میں آئیں تو میں آپ کو گرم دودھ دوں۔ بس ابھی آئی۔'' عدیلہ تیزی سے اٹھی اور کمرے کے دروازے سے باہر نکل گئی۔ علی رضا ''سنو سنو'' کہتا ہی رہ گیا۔ چند ہی لمحوں کے بعد وہ گرم دودھ لے کر واپس آ گئی۔

''واہ اس سے پہلے ہمیں اپنے سسرال والوں کے بارے میں معلوم ہی نہیں تھا۔ یہاں تو یوں لگ رہا ہے جیسے اپنی سسرال میں آ گئے ہیں۔ بتاؤ سب کچھ ورنہ دماغ کی شریانیں پھٹ جائیں گی۔'' علی رضا نے کہا۔

''سسرال ہی سمجھیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے۔ شاہ میر بھائی نے سچ مچ مجھے بہن کا مقام دے دیا ہے۔ کیا آپ یقین کر سکتے ہیں کہ پولیس کسی کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کر سکتی ہے۔''

''پولیس......!'' علی رضا تھکے تھکے لہجے میں بولا۔

''ہاں، شاہ میر بھائی پولیس افسر ہیں، یہ ان کا فلیٹ ہے۔ وہی آپ کو بازیاب کرا کر لائے ہیں۔ پھر رات کو تین بجے میرے پاس آئے اور مجھے اور بچوں کو لے کر یہاں آ گئے۔''

''پولیس نے۔'' علی رضا کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔ پھر چونک کر کہنے لگا۔ ''بچے کہاں ہیں؟''

'دوسرے کمرے میں۔''

''مجھے دکھا دو۔''

''آپ کو اٹھنے میں تکلیف ہوگی، وہ جاگ جائیں تو میں......''

''نہیں، میں اٹھ سکتا ہوں۔''

''اچھا۔ یہ دودھ تو پی لیں۔'' عدیلہ نے کہا۔

علی رضا نے ایک ہی سانس میں دودھ کا گلاس خالی کر دیا۔ عدیلہ اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل آئی تھی۔ علی رضا کا سر اب بھی چکرا رہا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ خواب نہیں ہے۔ لیکن عدیلہ اس کے پاس تھی۔ اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھی۔

دوسرے کمرے میں دونوں بچے آرام سے بیڈ پر سو رہے تھے۔ علی رضا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ''خدا...... خدا کا شکر ہے، میرے بچے۔'' اس سے آگے نہ بولا گیا۔

''آیئے، آپ کو بھوک لگ رہی ہے۔ یہاں کچن بھی ہے۔ بھائی مجھے بتا کر گئے ہیں۔'' عدیلہ اسے دوسرے کمرے میں لے آئی۔

''مجھے اس طلسم کی حقیقت بتا دو عدیلہ، میں سخت حیران ہوں۔''

''میں بتاتی ہوں۔ آپ اٹھ کر دروازے پر گئے، واپس نہ آئے تو میں......''

عدیلہ نے پولیس اسٹیشن جانے، شاہ میر اور صفورا کے ملنے کی پوری داستان منیجر ریاض صاحب کی بے رخی اور شاہ میر کے عزم کی پوری داستان سنائی اور بولی۔ ''رات کو تین بجے وہ میرے پاس آئے اور مجھے جگا کر بولے کہ مجھے ان کے ساتھ چلنا ہے۔ جب انہوں نے مجھے بتایا کہ آپ مل گئے ہیں اور انہوں نے آپ کو آپ کی زندگی کی حفاظت کے لئے اپنے فلیٹ میں رکھا ہے تو میں بے اختیار ہوگئی اور یہاں چلی آئی۔ بھائی نے بچوں کو بھی ساتھ لینے کے لئے کہا تھا۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے آپ کی بینڈیج کی ہے۔ یہاں کوئی اور نہیں ہے۔ آپ، آپ کو اللہ زندہ سلامت رکھے۔''

''شاہ میر۔'' علی رضا آہستہ سے بولا۔ پھر کہنے لگا۔ ''اگر ممکن ہے تو میرے لئے چائے بنا دو۔''

☆......☆......☆

شاہ میر نے گہری سانس لے کر صفورا کو دیکھا۔ پھر بولا۔ ''اخبارات کو یہی خبریں دی گئی ہیں لیکن...... علی رضا ہمارے پاس ہے۔''

''کیا؟'' صفورا حیرت سے چیخ پڑی۔ ''کیا کہا آپ نے؟''

''ہاں، علی رضا میرے پاس ہے۔ میں نے اسے لیک ویو والے فلیٹ میں پہنچا دیا ہے اور اس کی بیوی اس کی دیکھ بھال کر رہی ہے۔''

''او مائی گاڈ...... لیکن اخبارات میں چھپنے والا آپ کا بیان؟''

''یہ ضروری تھا۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے صفورا۔ بات کسی معمولی سے کیس سے شروع ہوتی ہے لیکن اتنی خطرناک ہو جاتی ہے کہ دانتوں تلے پسینے آ جائیں۔ یہ بھی ایسا ہی کیس ہے، ابھی تک یہ پتا نہیں چلا کہ علی رضا کو اغوا کر کے اس پر کیوں تشدد کیا گیا لیکن اسے اغوا کرنے والے بہت خطرناک لوگ ہیں۔ ان کی پہنچ بہت دور تک ہے۔ اس لئے محتاط کھیل شروع کرنا پڑا ہے۔''

''کیا زمان شاہ کو تفصیل پتا ہے۔ وہ بے چارہ بہت دلبرداشتہ ہے۔ کہہ رہا تھا کہ شاہ جی نے جو ذمے داری میری لگائی تھی، میں اسے پوری نہیں کر سکا اور ہاتھ آیا ہوا علی رضا دوبارہ اغوا ہوگیا۔''

''میں نے اسے کچھ نہیں بتایا۔ ایسا کرنا ضروری تھا۔ وہ ایک مخلص آدمی ہے۔ اس نے اپنا رول خوش اسلوبی سے ادا کیا ہے اور اب بھی وہ شکست کے خیال سے دیوانہ ہو رہا ہے۔ مجھے اس کی یہی اسپرٹ چاہیے۔''

''اوہ کبھی کبھی آپ بالکل نہیں پہچانے جاتے۔''

''ارے نہیں، مجھے غور سے ذہن میں بٹھا لو۔ کہیں حجلۂ عروسی میں یہ مت کہہ بیٹھنا کہ سنئے آپ کون ہیں۔'' شاہ میر نے شرارت بھرے لہجے میں کہا۔

''کچھ بتائیں پلیز۔ زمان شاہ بہت بجھا بجھا سا ہے۔'' صفورا فوراً سنجیدہ ہوگئی۔

''جو نام سامنے آئے ہیں، وہ کافی خطرناک ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ علی رضا کا معاملہ کیا ہے لیکن تمہیں کچھ ریاض احمد کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ کس طرح میرے پاس آیا تھا۔ وہ انتہا محتاط تھا۔ پھر ہمارے محکمے کے افسراعلیٰ اس بات پر بہت برہم ہوئے تھے کہ دلبر جانی جیسی اہم شخصیت پر ہاتھ ڈالا گیا۔ بڑی مشکل سے انہیں ہینڈل کیا۔ یہاں بھی خانیہ سکندر کا نام سامنے آیا...... اور اب تو براہ راست ٹھن گئی ہے۔ زمان شاہ کے بارے میں تمہیں معلوم ہے کہ دلبر جانی پر ہاتھ ڈالنے کے سلسلے میں، اسے کیسے زبردست اختیارات دیئے گئے تھے۔ اسے کلب سے اٹھاتے ہوئے اسپیشل والے پوری طرح چوکس تھے اور مجھے خطرہ تھا کہ کہیں راستے میں زمان شاہ پر حملہ نہ کیا جائے۔ میں خود اسپیشل والوں کی کمان کر رہا تھا۔''

''آپ خود'' صفورا حیرت سے بولی۔

''ہاں، کم از کم دلبر جانی کے بارے میں مجھے معلوم تھا کہ وہ خاصا پاور فل بندہ ہے۔''

''پھر...... علی رضا دوبارہ آپ کے ہاتھ کیسے لگا؟''

''یہ کھیل بھی اسپیشل والوں کے تعاون سے ہوا۔ جب زمان شاہ علی رضا کو لے کر پہلی کوٹھی سے چلا تو طے شدہ جگہ اسپیشل والوں نے پولیس پارٹی پر گیس بموں سے حملہ کیا اور علی رضا کو وہاں سے نکال لائے۔''

''او مائی گاڈ...... لیکن کیوں۔''

''میں اسے محفوظ رکھنا چاہتا ہوں۔ منظر عام پر آنے کے بعد اسے ختم بھی کیا جا سکتا تھا۔ ایسا اس کی زندگی کی حفاظت کے لئے تھا۔''

''اور دلبر جانی کا کیا کریں گے۔'' صفورا نے کہا۔ شاہ میر مسکرایا پھر بولا۔ ''میں خانیہ سکندر سے پینگیں بڑھانا چاہتا ہوں۔ دلبر جانی بھی اغوا ہو جاتا تو خانیہ میری طرف توجہ نہ دیتی لیکن دلبر کے سلسلے میں بڑی دلچسپ کشمکش شروع ہو چکی ہے۔''

''وہ کیسے؟''

''یہ بات تمہارے علم میں ہے کہ دلبر، خانیہ کا خاص بندہ ہے۔ اس کا میرے قبضے میں رہنا اس بات کی ضمانت ہے کہ خانیہ سکندر یا اس کے گرگے مجھ سے رابطہ کریں گے اور یہ چاہیں گے کہ میں اس کیس میں کوئی تبدیلی کروں جبکہ انہیں پتا چل چکا ہے کہ دلبر جانی کے ذریعہ علی رضا برآمد ہوا ہے۔ ویسے زمان شاہ نے دلبر جانی کو کافی توڑ پھوڑ دیا ہے۔''

''دوسرے اغوا اور پولیس پارٹی پر بم حملہ کر کے آپ نے کیس میڈیا کے لئے بہت اہم بنا دیا ہے۔ سنسنی خیز کہانیاں سنائی جا رہی ہیں، قیاس آرائیاں کی جا رہی ہیں۔ ویسے ابھی تک کسی طرف سے کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔''

''نہیں، ویسے ذوالفقار صاحب دلبر جانی کی گرفتاری پر بہت برافروختہ ہوئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ میں ان سے معافی مانگ کر دلبر کو ان کے حوالے کر دوں گا لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔ اس کے علاوہ زمان شاہ نے کلب سے جس طرح دلبر جانی کو اٹھایا ہے، اس پر بھی بڑی لے دے ہو رہی ہے لیکن دلبر کو اٹھانے سے کافی فائدہ ہوا اور علی رضا برآمد ہوگیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ علی رضا کو اغوا کرنے والے کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟ لیکن...... اندازہ ہو رہا ہے کہ صورت حال کافی پیچیدہ ہو جائے گی۔ دلبر جانی کو انڈر گراؤنڈ کرنا ہوگا کیونکہ اب اس کی زندگی شدید خطرے میں پڑ جائے گی۔ جو لوگ علی رضا کے اغوا کے ذمے دار ہیں، وہ اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔''

''او مائی گاڈ...... آپ کتنا دور تک سوچتے ہیں۔'' صفورا نے پیار بھری نظروں سے شاہ میر کو دیکھ کر کہا۔

''ہاں غور کرنا پڑتا ہے۔ میں اکثر اپنے اور تمہارے بچوں کے بارے میں سوچتا ہوں کہ وہ کس مزاج اور کیسی شکل کے حامل ہوں گے اور ہم ان کے مستقبل کے لئے کیا کریں گے۔ تمہارا کیا خیال ہے۔'' شاہ میر پھر شرارت پر اتر آیا۔

لیکن صفورا ایسی باتوں کو ٹالنے میں ماہر ہوگئی تھی۔ اس نے کہا۔ ''عدیلہ تو خوشی سے پاگل ہوگئی ہوگی۔''

''اس کا اندازہ تم سے اچھا کون لگا سکتا ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''اگر میں اغوا ہو جاتا اور اچانک تمہارے پہلو میں ملتا تو تمہاری کیا کیفیت ہوتی۔''

''آپ نے ان لوگوں کو شدید پریشان کر دیا ہے جو علی رضا کے اغوا کے ذمے دار ہیں۔ وہ مشکل میں پڑ گئے ہوں گے کہ دوبارہ علی رضا کو کس نے اغوا کیا۔ ویسے اگر وہ ضرورت سے زیادہ بے وقوف نہیں ہیں تو اسے پولیس کی کوئی چال ہی سمجھیں گے۔''

شاہ میر، صفورا کو غصے سے گھورنے لگا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ شاہ میر نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

''سنیں۔'' صفورا نے نرم لہجے میں کہا اور شاہ میر نے آنکھیں کھول دیں۔

''فلیٹ چلیں۔ میرا مطلب ہے عدیلہ اور علی رضا کے پاس۔''

شاہ میر کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر بولا۔ ''چلو''

☆......☆......☆

شاہ میر نے کئی بار بیل بجائی لیکن اندر سے جواب نہیں ملا۔ تب اس نے سیل پر عدیلہ کو کال کی اور اسے بتایا کہ وہ دروازے پر کھڑا ہے۔ عدیلہ نے دروازہ کھولا۔ شاہ میر اور صفورا کو دیکھ کر وہ خوشی سے کھل اٹھی۔ پھر جب یہ دونوں اندر داخل ہوگئے تو دروازہ بند کر کے چیخی۔ ''علی...... علی...... بھائی آئے ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ صفورا سے لپٹ گئی۔ صفورا نے بھی اسے پیار سے لپٹا لیا تھا۔ علی رضا بھی دونوں بچوں کے ساتھ باہر نکل آیا تھا۔ وہ بڑی مونیت سے شاہ میر سے ملا اور یہ لوگ ڈرائنگ روم میں جا بیٹھے۔

''کیسی طبیعت ہے علی؟'' شاہ میر نے پوچھا۔

''سر...... بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں، لیکن بس اتنا کہوں گا کہ آپ نے مجھے میرے بچوں کی صورت دکھا کر مجھ پر جو احسان کیا ہے، اس کا صلہ صرف اللہ آپ کو دے سکتا ہے۔ دل کی بات کہوں، عدیلہ نے آپ دونوں کے بارے میں بہت کچھ بتایا ہے۔ اتنا ہی کہوں گا کہ اس دور میں ایسے انسان کم ہی نظر آتے ہیں۔''

''بس اللہ تعالیٰ کچھ فرائض کی انجام دہی کا حکم دیتا ہے۔ اس سے زیادہ ہم نے آپ کے لئے کچھ نہیں کیا۔ آپ کو یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔''

''دل میں دعاؤں کا طوفان ہے۔ آپ یقین کریں، آپ نے اپنے فرائض سے ہٹ کر میرے اور میری بیوی بچوں کے لئے جو کچھ کیا ہے، میں......'' اس کی آواز بھرا گئی۔ پھر وہ سنبھل کر بولا۔ ''عدیلہ نے ریاض احمد کی بے اعتنائی کا گلہ کیا ہے۔ میں جانتا ہوں، جوان بیٹیوں کے باپ ہیں، مجبور ہیں۔ ورنہ وہ اتنے برے انسان نہیں ہیں۔''

''ہاں، وہ بُرے انسان نہیں ہیں۔ تمہارے مسئلے میں انہوں نے ہی میری رہنمائی کی تھی ورنہ شاید میں تمہیں اتنی آسانی سے بازیاب نہ کرا سکتا۔''

''کیا؟'' علی رضا اچھل پڑا۔

''ہاں! سچ یہ ہے کہ ان کی مدد سے ہی یہ سب ممکن ہو سکا ہے۔'' شاہ میر نے ریاض احمد سے رابطے کی پوری تفصیل بتائی اور بتایا کہ دلبر جانی کی نشاندہی ریاض احمد نے ہی کی تھی۔ اس نے ان تصویروں کے بارے میں بھی بتایا تھا۔

علی رضا انگشت بدنداں رہ گیا تھا۔ پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔ ''تصویریں آپ کے پاس پہنچ چکی ہیں۔''

''ہاں! لیکن میں نے ابھی ان پر کام نہیں شروع کیا۔''

''آپ نے بہت سے بت توڑ دیئے ہیں۔ دلبر جانی خود کو بادشاہ سمجھتا تھا۔ مجال ہے ناک پر مکھی بیٹھنے دے۔ نیز آپ نے ہمیں سب سے بڑا اسہارا یہاں لا کر دیا ہے۔ مجھے فکر تھی کہ وہ لوگ عدیلہ اور بچوں کے ذریعہ میری زبان کھلوانے کی کوشش کریں گے۔''

''کیا تم خود کو بہتر محسوس کر رہے ہو؟'' شاہ میر نے پوچھا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں سر۔'' علی رضا نے ہمت سے کہا۔

''مجھے اس بارے میں تفصیل بتاؤ۔''

''اس سے پہلے میں یہ کہنا چاہتا ہوں سر، کہ یہ پورے وطن کا معاملہ ہے، اسے سرسری طور پر نہ لیں۔''

''ٹھیک ہے، آگے بولو۔'' شاہ میر نے نرم لہجہ اختیار کیا۔

''سر، میں ایک معمولی سا آدمی ہوں۔ ایک فرم کا اسسٹنٹ منیجر کلرکوں کی طرح زندگی گزارنے والا، لیکن اس ملک کا شہری، اس سرزمین کا بیٹا، اپنے وطن کا فوجی۔ وہ سرحدوں کی حفاظت کے لئے گولیاں کھاتے ہیں تو ہم بھی وطن کے مقروض ہیں اور اس کے خلاف ہونے والی ہر سازش کے دشمن...... سر! بالکل اتفاق سے ان کی غلطی سے کچھ ایسی باتیں میرے علم میں آ گئیں جو میرے وطن کے خلاف ایک سازش کی نشاندہی کرتی تھیں۔ میں اسے سازش ہی کہوں گا۔ منشیات کا زہر ہمارے ملک کی جڑیں کھوکھلی کر رہا ہے۔ ہمارے نوجوانوں کو ناکارہ کر رہا ہے۔ ہمارا مستقبل تباہ ہو رہا ہے۔ میری ڈیوٹی کے دوران ان کی غلطی سے خفیہ فائل مجھ تک پہنچ گئی۔ مجھے کچھ کاروباری فائل دی جاتی تھیں جن کے مجھے جواب دینے تھے لیکن دوسری فائل مجھے دے دی گئی جو ان منشیات کے اڈوں کے بارے میں تھی۔ میں نے انہیں پڑھا اور جو کچھ میرے علم میں آ گیا، وہ بے حد سنسنی خیز تھا۔ میں بری طرح گھبرا گیا اور میں نے وہ فائل اور تصویریں ریاض صاحب کو دے دیں۔ سر، وہ بری طرح گھبرا گئے۔ انہوں نے کہا کہ میں خاموشی اختیار کروں ورنہ مجھے نقصان پہنچ جائے گا۔ انہوں نے مجھے ہدایت کی کہ میں کسی کو نہ بتاؤں کہ یہ فائل انہوں نے بھی دیکھ لی ہے ورنہ ان کی زندگی بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ فائل اور تصویریں ان کے پاس چھوڑ دی جائیں۔ وہ سوچیں گے کہ کس طرح واپس کی جائیں۔ سر، پھر موقع ہی نہیں ملا۔ انہوں نے مجھے میرے گھر سے اغوا کر لیا۔ پھر انہوں نے مجھ پر شدید تشدد کر کے پوچھا کہ فائل کہاں ہے اور وہ تصویریں کہاں ہیں۔ میں نے موقف اختیار کیا کہ وہ میرے آفس کیبنٹ میں ہیں اور میں دوسری مصروفیات کی وجہ سے انہیں دیکھ نہیں پایا۔ لیکن ظاہر ہے وہ انہیں وہاں نہیں ملیں۔ میں نے ریاض صاحب سے وعدہ کیا تھا کہ میں انہیں نہیں بتاؤں گا کہ فائل ریاض صاحب کے پاس ہے۔ اس لئے میں نے تشدد کے باوجود زبان نہیں کھولی۔''

''انہیں فوراً ہی علم ہوگیا تھا کہ تمہارے پاس غلط فائل پہنچ گئی ہے؟'' شاہ میر نے سوال کیا۔

''نہیں سر۔ مجھے دس دن کے بعد اغوا کیا گیا تھا۔''

''گویا دس دن تک انہیں اپنی غلطی کا علم نہیں ہوا؟''

''یہی کہا جا سکتا ہے سر۔''

''تم نے یہ فائل کتنے عرصہ کے بعد ریاض صاحب کو دی تھی؟''

''پانچ دن کے بعد...... لیکن سر، میں ایک محب وطن شخص ہوں۔ میں نے اس حقیقت سے واقف ہونے کے بعد اس فائل کی نقل تیار کرائی اور اپنے ایک صحافی دوست کو دے دی۔ اس کے بعد ہی اصل فائل میں نے ریاض صاحب کو دی تھی۔''

''کون دوست ہے وہ؟''

''اجمل شاہ ہے اس کا نام۔ ایک چھوٹے سے اخبار کا رپورٹر ہے۔''

''اجمل شاہ کہاں رہتا ہے؟'' شاہ میر نے سوال کیا تو علی رضا نے اس کے بارے میں بتایا۔

''اجمل شاہ نے اس کے بعد تم سے رابطہ نہیں کیا اور کیا اسے تمہارے اغوا کے بارے میں خبر نہیں ملی۔ میرا مطلب ہے اس کے بعد اس نے عدیلہ سے رابطہ نہیں قائم کیا۔''

''نہیں سر! ہمارے گھریلو تعلقات نہیں ہیں۔ ویسے بھی وہ ایک لاابالی آدمی ہے۔ اخبار کے لئے خبریں جمع کرنے کے لئے گردش میں رہتا ہے۔ خاص طور سے وہ وڈیروں اور چوہدریوں کے مظالم کے خلاف شواہد جمع کرتا رہتا ہے، پھر ان کے خلاف لکھتا ہے، ان کی پول کھولتا ہے اور ٹوٹتا پھوٹتا رہتا ہے۔''

''ٹوٹتا پھوٹتا رہتا ہے۔''

''جی صاحب! میری طرح مار کھاتا ہے اور عام طور پر اسپتالوں میں ہوتا ہے۔''

''ویری گڈ۔ تم نے ان تصویروں کو بغور دیکھا ہے؟'' شاہ میر نے پوچھا۔

''جی سر، میں ان عمارتوں کو پہچانتا ہوں۔ فائل کے ریکارڈ کے مطابق یہ منشیات کی اسمگلنگ کے محل ہیں۔ یہاں اربوں روپے کی منشیات کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔''

''اجمل شاہ کے بارے میں مجھے مزید بتاؤ۔''

''سر پھرا انسان ہے۔ اخبار میں بے باکی سے لکھتا ہے۔ کبھی کسی سے ایک پیسہ قبول نہیں کرتا۔ میرا مطلب ہے کہ کسی کے خلاف بلیک میلنگ کے لئے نہیں لکھتا۔ لکھ دیتا ہے، جیل چلا جاتا ہے، معافیاں مانگ کر باہر آتا ہے۔ تھوڑے دن تک بیوی بچوں کے لئے کھانے پینے کا بندوبست کرتا ہے اور دوبارہ کسی مسئلے پر لکھ کر جیل یا اسپتال چلا جاتا ہے۔''

''واہ! اس کا نمبر مجھے دو۔'' صفورا نے کہا اور علی رضا نے ایک نمبر دہرا دیا جسے اپنے سیل میں فیڈ کر لیا۔

کچھ لمحات کی خاموشی کے بعد شاہ میر نے کہا۔ ''اب تم مجھے خانیہ سکندر کے بارے میں بتاؤ۔'' علی رضا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر اس نے کہا۔ ''اس کے بارے میں بھی ریاض صاحب نے آپ کو بتایا ہے۔''

''زیادہ نہیں، بس انہوں نے دو ناموں کی نشاندہی کی تھی، یعنی دلبر جانی اور خانیہ سکندر۔''

''خانیہ کے بارے میں پہلے شبہ تھا کہ وہی ہماری فرم کی اصل مالک ہے جبکہ فرم کے مالک کا نام دانیال پاشا ہے لیکن کوئی بھی دانیال پاشا کے بارے میں تفصیل نہیں جانتا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ تھائی لینڈ میں رہتا ہے لیکن اسے کسی نے نہیں دیکھا۔ بس اس کے فون آتے رہتے ہیں۔ پھر پتا چلا کہ خانیہ اس فرم کی شیئر ہولڈر ہے۔ اصل میں خانیہ ہی کے حوالے سے وہ غلط فائل میرے پاس آ گئی تھی، بالکل اتفاقیہ طور پر ایک بار اجمل شاہ سے ان کے بارے میں بات ہوئی تھی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب یہ انکشاف ہوا تھا کہ ہماری فرم کو بیشتر احکامات خانیہ کی وساطت سے ملتے ہیں۔ اجمل شاہ نے بڑی تفصیل سے خانیہ کے بارے میں بتایا تھا۔ ظاہر ہے یہ اس کا شعبہ تھا۔''

''کیا بتایا تھا؟''

''اس نے کہا تھا کہ خانیہ کچھ نہیں ہے۔ وہ کچھ بڑوں کی لے پالک ہے۔ انہوں نے اسے رابطہ کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ وہ ایک ٹرانسمیٹر ہے جس کے ذریعے پیغامات کا تبادلہ ہوتا ہے۔ وہ کمپیوٹر ہے جن میں بہت بڑے بڑے لوگ اپنے معاملات فیڈ کرتے ہیں اور اس کا نشریاتی نظام عمل کرتا ہے۔ وہ ان بڑے بڑے لوگوں کے رابطے کا ذریعہ ہے اور وہ سب مل کر اسے پال رہے ہیں۔''

''ایک بات بتاؤ۔ کیا اجمل شاہ نے کبھی خانیہ کے خلاف اپنے اخبار میں لکھا ہے؟''

''کبھی نہیں۔ وہ بڑی ترکیب سے کام لیتا ہے۔ اپنے معاملات بیلنس رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ کبھی کسی کے بارے میں تعریف و توصیف کے انبار لگا دیئے، اس کی محبت حاصل کی۔ پھر کسی سے پنگا لیا اور اندر چلا گیا۔''

''تمہارے خیال میں خانیہ کو یہ معلوم ہے کہ تمہارے اجمل شاہ سے تعلقات ہیں؟''

''نہیں سر۔ شاید کسی کو نہیں۔''

''ہوں۔'' شاہ میر خاموش ہوگیا۔

''سر! دلبر جانی کا کیا ہوا؟'' علی رضا نے پوچھا۔

''تھانے میں بند ہے۔''

''اس کی رہائی کی کوشش نہیں ہوئی؟''

''ابھی تک نہیں۔''

''کھچڑی پک رہی ہوگی۔ اعلیٰ پیمانے پر کام ہوگا۔ آپ اسے زیادہ قید نہیں رکھ سکیں گے۔''

شاہ میر کچھ سوچتا رہا۔ اسے یہ بے باک نوجوان بے حد پسند آیا تھا۔ بلاتکلف سوال کر لیتا تھا۔ صورت حال سمجھ میں آ گئی تھی۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد اس نے رضا سے کہا۔ ''اچھا ہوا کہ تم نے اجمل شاہ اور اس کے اخبار کا تذکرہ کر دیا۔ آج کل وہ باہر ہے یا اندر؟''

''پتا کرلوں؟''

''ابھی نہیں۔ ہمیں اس سے کچھ کام لینا ہے۔ میں ایک رپورٹ تیار کرتا ہوں۔ اجمل شاہ اسے خبر بنا کر تفصیل سے چھاپے گا۔ یوں تو بہت سے اخبارات نے اس بارے میں مختلف خبریں شائع کی ہیں لیکن میں ذرا تفصیل سے یہ خبر چھاپنا چاہتا ہوں۔''

''وہ پورا تعاون کرے گا۔ اسے تفصیل معلوم نہیں ہوگی ورنہ وہ میری خبر ضرور لیتا۔''

''میں رپورٹ تیار کرلوں، پھر تم اس سے رجوع کرنا۔''

''ٹھیک ہے۔''

شاہ میر نے صفورا کو رپورٹ ڈکٹیٹ کرائی۔ اس میں اس نے علی رضا کے اغوا، کلب سے دلبر جانی کی گرفتاری اور پھر اس کے انکشافات پر اغوا شدہ نوجوان کی بازیابی اور اس کے دوبارہ اغوا کی تفصیل تھی۔

یہ رپورٹ اس نے علی رضا کو دے کر کہا۔ ''اسے اجمل شاہ کے اخبار میں شائع ہونا ہے۔''

''میں اسے کال کرتا ہوں۔'' علی رضا نے کہا۔ یہ کال صفورا کے موبائل سے کی گئی تھی۔ کچھ لمحوں بعد اجمل شاہ سے رابطہ ہوگیا۔ علی رضا نے کہا۔ ''میں رضا بول رہا ہوں، علی رضا۔''

''عالم بالا سے بول رہے ہو؟''

''نہیں۔ اسی دنیا سے۔''

''میں ابھی راج گڑھی سے آیا ہوں۔ گھر میں پڑے اخبار میں ایک خبر دیکھی، تمہیں کال کی تو تمہارا نمبر بند ملا۔ تمہارے منیجر صاحب سے بات کی تو انہوں نے بڑی سنسنی خیز خبریں سنائیں۔ ابھی تمہارے گھر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔''

''بھول کر بھی ادھر کا رخ نہ کرنا۔''

''کیوں؟''

''بھیڑیئے نگرانی کر رہے ہوں گے۔''

''بھابی اور بچے کہاں ہیں؟''

''اللہ کے فضل سے خیریت سے ہیں۔''

''تم کہاں سے بول رہے ہو؟''

''محفوظ جگہ پر ہوں۔''

''قصہ کیا ہے؟''

''خانیہ سکندر۔''

''کیا مطلب؟'' اجمل شاہ نے پوچھا۔ علی رضا نے مختصراً اسے اپنے بارے میں بتایا۔

''میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔'' اجمل شاہ نے کہا۔

''ناممکن بلکہ ڈبل ناممکن۔ پورے شہر میں بھیڑیئے میری بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔''

''اوہ! مجھے بتاؤ میں کیا کروں تمہارے لئے؟''

''میرے بارے میں ایک رپورٹ تمہیں شائع کرنی ہے، یہ بہت ضروری ہے۔''

''مجھے لکھوا دو۔ پوری نمک مرچ کے ساتھ شائع کروں گا۔'' اجمل شاہ نے کہا۔

علی رضا نے شاہ میر کی تیار کی ہوئی رپورٹ اسے لکھوا دی تو اجمل شاہ نے کہا۔ ''میں سمجھ گیا یہ بے حد ضروری ہے، خاص طور پر دلبر جانی کی گرفتاری کی خبر ورنہ خانیہ کام دکھا دے گی۔''

پھر کیا کرو گے؟''

''اخبار میں چھاپ رہا ہوں، فکر مت کرو، چار بجے تک اخبار بازار سے منگوا لینا۔'' اجمل شاہ نے کہا۔

شاہ میر کے چہرے پر تعریفی تاثرات پھیل گئے۔ علی رضا نے اسپیکر آن کر رکھا تھا۔ اجمل شاہ نے کہا۔ ''یہ بندہ بڑی چیز ہے، کیا نام بتایا تم نے اس پولیس افسر کا؟''

''شاہ میر۔''

''یہ نام، اکثر سننے میں آتا ہے، کبھی ملاقات نہیں ہوئی، ہاتھی پکڑا ہے اس نے۔ اللہ اس کی حفاظت کرے، یہ بتاؤ دوبارہ کب بات کروں؟''

''خود کال کروں گا۔ تم پریشان مت ہونا۔ عدیلہ اور بچے میرے ساتھ ہیں۔''

فون بند کرنے کے بعد علی رضا نے شاہ میر کی طرف دیکھا تو اس نے مطمئن انداز میں گردن ہلا دی اور بولا۔ ''کام کا بندہ ہے، اسے ذہن میں رکھنا۔ اچھا ہم لوگ چلتے ہیں، آرام سے رہو، ضرورت کی چیزیں آ جائیں گی، احتیاط رکھنا۔''

☆......☆......☆

کانسٹیبل نے ایک کارڈ شاہ میر کے سامنے لا کر رکھا۔ ''سر! یہ شخص آپ سے ملنا چاہتا ہے۔''

شاہ میر نے کارڈ پر نظر ڈالی۔ لکھا تھا ''اجمل شاہ مقتول۔'' ساتھ میں اخبار کا نام تھا۔

شاہ میر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کی اجازت پر نووارد اندر آ گیا۔ اجاڑ سی شکل وصورت کا مالک، ضرورت سے زیادہ لمبا قد، دبلے پتلے ہاتھ پاؤں، بکھرے بال، بڑھی ہوئی شیو، میلے کپڑے۔

شاہ میر نے کھڑے ہو کر اس سے مصافحہ کیا اور وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑنے لگا۔ شاہ میر نے اردلی سے کہا۔ ''کسی کو اندر مت آنے دینا۔''

''سر! کوئی غلطی ہوگئی مجھ سے؟'' اس نے سہما ہوا لہجہ بنا کر کہا۔ ''تشریف رکھئے۔ پہلی بار کسی مقتول سے مل کر مجھے خوشی ہو رہی ہے۔ آج تک مقتول کے ورثا قتل کی رپورٹ درج کرانے آتے رہے ہیں لیکن آج کوئی مقتول خود تھانے پہنچ گیا ہے۔''

''جی۔ مقتول مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ کچھ وہ ہوتے ہیں جو ایک قتل ہو کر زندگی سے نجات پا جاتے ہیں اور کچھ وہ جو بار بار قتل ہوتے ہیں، ہم انہی میں سے ہیں۔''

''جی۔ آپ کا مزید تعارف؟'' شاہ میر نے دلچسپی سے کہا۔

''یہ ٹوٹا پھوٹا کیمرہ، جس میں جگہ جگہ اسکواش ٹیپ لگا ہوا ہے، ایک بہت ہی ماہر فن کیمرہ مکینک کی مہارت کا شاہکار ہے۔ اس پر کتنا ہی ظلم ہو، وہ مکینک اسے ہر بار ٹھیک کر دیتا ہے۔ رپورٹنگ کرنے جاتے ہیں تو آپ جیسے کرم فرما کیمرہ چھین کر اس میں سے فلم رول نکال لیتے ہیں۔ اگر بڑے عہدیدار ہوں تو اسے چھین کر زمین پر دے مارتے ہیں۔ بس خدا کا شکر ہے کہ بچپن میں کرکٹ کے کھلاڑی تھے اور وکٹ کیپر تھے یعنی کیچ پکڑنے کے ماہر۔ کوشش کر کے کیچ پکڑ لیتے ہیں۔ اس طرح یہ بقید حیات ہے، بس یہی ہماری شناخت ہے۔''

''گویا آپ رپورٹر ہیں؟'' شاہ میر نے کہا۔

''یہی سمجھ لیں۔ آپ نے ایک بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ اس سے متعلق کچھ معلومات کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ ناگوار خاطر تو نہیں گزرا۔''

''جی نہیں۔ آپ کی آمد سے خوشی ہوئی۔ آپ آئندہ جب چاہیں آ سکتے ہیں۔''

''بڑا شکریہ۔ ویسے دلبر جانی کی گرفتاری کی خبر ہمارے لئے بڑی سنسنی خیز ہے اور اس سے زیادہ علی رضا کی دوسری بار اغوا کی۔ اس کے دوبارہ اغوا کے بارے میں کچھ پتا چلا؟''

''ابھی تک نہیں، کوشش جاری ہے۔''

''ٹھیک۔ ہمارے چھوٹے سے اخبار کے بارے میں ہمارے کارڈ سے پتا چل گیا ہوگا۔ دلبر جانی کی کچھ تصویریں بنانا چاہتے ہیں۔''

''ضرور بنا لیجئے۔'' شاہ میر نے کہا۔ وہ خود لاک اپ تک آیا تھا۔ لیکن دلبر جانی نے سخت واویلا کیا تھا۔

''حد سے آگے بڑھ رہے ہو تم لوگ، نقصان اٹھاؤ گے، باز آ جاؤ۔ سوچ لو، ایکشن شروع ہونے والا ہے۔ ارے کیا میری تصویریں اخبار میں چھاپو گے، دنیا کو بتاؤ گے کہ میں لاک اپ میں ہوں۔'' دلبر جانی نے چیخ چیخ کر کہا۔

''کیسی باتیں کر رہے ہو پیارے بھائی۔ لوگ اخبار میں تصویر چھپوانے کے لئے بسوں کے آگے لیٹ جاتے ہیں۔''

''او اخبار والے! ایک بات کان کھول کر سن لے۔ میری تصویر اگر اخبار میں آئی تو پھر تیری تصویر بھی کسی اخبار میں آئے گی۔''

اجمل شاہ بڑا دلچسپ آدمی تھا۔ تھوڑی دیر تک شاہ میر کے ساتھ رہا۔ پھر خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔ شاہ میر کو یہ شخص پسند آیا تھا۔ اس سے آئندہ بھی تعلقات رکھے جا سکتے تھے۔

پھر زمان شاہ آ گیا۔ اس نے اس عمارت کے بارے میں رپورٹ دی تھی۔ ''بڑی عام سی کوٹھی ہے سر۔ ایک ڈاکٹر صاحب کی ملکیت ہے جن کا انتقال ہو چکا ہے۔ ان کا بیٹا بھی ڈاکٹر ہے اور ملک سے باہر رہتا ہے۔ کوٹھی کے اختیارات ایک پراپرٹی ڈیلر کے پاس ہیں جس کا کہنا ہے کہ کوئی کرائے دار اس میں نہیں ٹکتا۔ لوگ اسے کرائے پر لیتے ہیں اور چھوڑ دیتے ہیں۔ دو مہینے پہلے یہ خالی ہوئی تھی اور ایک بزرگ جوڑے نے اسے کرائے پر حاصل کی تھی۔''

شاہ میر پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔

☆......☆......☆

عالیشان کوٹھی کے حسین لان پر خوبصورت کرسیوں میں سے ایک پر خانیہ سکندر بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے کرسی پر ایک درمیانی عمر کا آدمی مؤدب بیٹھا تھا۔

دودھ جیسے سفید رنگ اور بلند و بالا قد لیکن کسی قدر کرخت نقوش والی خانیہ نے پاٹ دار آواز میں کہا۔ ''بس دلاور صاحب! اب تھکن محسوس ہونے لگی ہے۔ انسان اپنی زندگی میں اپنے فائدے کے لئے کیا کچھ نہیں کرتا لیکن آپ اگر کسی کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں، کسی کے لئے دکھی ہوتے ہیں تو یہ یقین کریں، اس کے لئے کچھ نہیں کرتے۔ آپ اپنے لیے کرتے ہیں، اپنی ذات کی تسکین کے لئے کرتے ہیں۔''

سامنے بیٹھے شخص نے عقیدت سے گردن خم کی اور بولا۔ ''یہ آپ کی بڑی سوچ ہے ورنہ لوگ تو کسی کے ساتھ دو پیسے کا سلوک کر کے تصویریں چھپوانے کے شوقین ہوتے ہیں۔''

''اچھا ٹھیک ہے۔ آپ نے جو ذمہ داری ہمیں دی ہے، ہم اسے پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔ آپ جایئے، ہمیں کچھ دوسرے کام کرنے ہیں۔''

''جی بہت بہتر۔'' سامنے بیٹھا شخص بادل نخواستہ اٹھ گیا۔ اس نے جھک کر خانیہ کو سلام کیا۔ کچھ فاصلے پر کھڑی کار کے پاس پہنچ گیا۔ بے حد قیمتی کار کے پاس باوردی ڈرائیور موجود تھا جس نے جلدی سے پچھلا دروازہ کھولا اور وہ شخص اندر بیٹھ گیا۔ کار آہستہ آہستہ چلتے ہوئے گیٹ سے باہر نکل گئی۔ اس کے نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد خانیہ نے پاس رکھی وائرلیس بیل بجائی تو دور کھڑے ہوئے دو نوجوان آدمی تیزی سے دوڑتے ہوئے اس کے پاس آ گئے۔

''ہاں، کیا بات ہے۔ تم مجھے بے چین نظر آ رہے ہو؟''

''جی عالیہ خانیہ۔ یہ اخبار......'' ان میں سے ایک نے اخبار کھول کر خانیہ کے سامنے رکھ دیا۔

''کیا ہے اس میں، کوئی خاص بات ہے؟''

''جی۔'' وہ بولا۔

خانیہ اخبار کی سرخی پر نگاہ دوڑانے لگی۔ پہلے اس نے سرسری انداز میں سرخی دیکھی تھی لیکن دوسرے لمحے وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ آہستہ آہستہ اس کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔ تفصیل پڑھنے کے بعد وہ تھوڑی دیر تک پتھر کے بت کی طرح ساکت بیٹھی رہی، پھر سنبھل کر نرم لہجے میں بولی۔ ''افسوس دلبر تو بہت اچھا انسان ہے۔ لیکن ہمیں دکھ یہ ہے کہ جن لوگوں کی ہم دن رات پرورش کر رہے ہیں، جنہیں ہماری ذات سے کوئی تکلیف نہیں پہنچتی، وہ ہمارے ساتھ یہ سلوک کیوں کرتے ہیں، کم از کم ہمیں دلبر جانی کی گرفتاری کی خبر تو دینی چاہئے تھی۔ آپ لوگوں کو علم ہے کہ ہمارے لئے کس قدر کارآمد ہے۔''

''یہ ذمے داری ضرغام خان کی تھی۔''

''ہاں، ضرغام ان دنوں اپنی ذمے داریوں سے لاپروائی برتنے لگے ہیں۔ کچھ دوسرے شغل اپنائے ہوئے ہیں انہوں نے اور یہ رپورٹر کون ہے، یہ اخبار بھی بس یونہی سا ہے۔''

''جی خانیہ''

''خیر...... دلبر جانی کہاں ہے اس وقت، کسی نے اس کی ضمانت نہیں کرائی، سب جانتے ہیں کہ وہ ہمارا آدمی ہے اور ہمیں بہت عزیز ہے۔ یہ ہے ہماری مہربانی کا صلہ۔ کیا سوچتا ہوگا دلبر، ہم دنیا کی خبرگیری کرتے ہیں اور وہ...... افسوس، افسوس۔ تم یوں کرو، ضرغام کو تلاش کر کے ہمارے پاس لاؤ۔''

''جی بہت بہتر۔''

''لیکن زیادہ وقت نہ لگے۔''

''بہت مناسب میڈم۔'' ان دونوں نے بیک وقت احترام سے کہا اور اجازت ملنے پر چلے گئے۔

تب خانیہ سکندر نے سامنے رکھے ہوئے اخبار کو دوبارہ پھیلایا اور اسے غور سے پڑھنے لگی۔ ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے کے نقوش تبدیل ہوئے اور ان میں شدید سفاکی نظر آنے لگی، پھر سامنے والے فولادی گیٹ سے ایک بی ایم ڈبلیو اندر داخل ہوئی اور خانیہ نے اخبار تہہ کر کے رکھ دیا۔

کار رکی اور اس سے دو خوش پوش مرد نیچے اتر آئے اور خانیہ انہیں دیکھتی رہی۔ آنے والے قریب آئے اور انہوں نے بڑے احترام سے سلام کیا۔ خانیہ نارمل ہوگئی۔ اس نے مسکراتے ہوئے انہیں جواب دیا اور بولی۔ ''کہئے کب آئے آپ لوگ؟''

''کل رات کو۔ تین ملکوں کا دورہ تھا۔ بس رات گزاری، پہلی حاضری آپ کی خدمت میں دی ہے۔''

''کیسا رہا آپ کا دورہ، کام ہوگیا؟''

''آپ کی مہربانیاں شامل حال تھیں، کامیابی رہی۔''

''خوشی ہوئی، مبارک۔''

''شکریہ میڈم۔''

''کوئی اور کام ہم سے؟''

''نہیں میڈم! شکر گزاری کے لئے حاضر ہوئے تھے۔''

''ہم آپ سے بیٹھنے کے لئے نہیں کہیں گے۔ ہم ذہنی طور پر مصروف ہیں، بہت جلد دوبارہ ملاقات ہوگی، خدا حافظ۔'' خانیہ نے کہا اور دونوں ہکا بکا رہ گئے۔ پھر انہوں نے بادل ناخواستہ خدا حافظ کیا اور واپس مڑ گئے۔ خانیہ ان کی کار کو جاتے دیکھتی رہی۔ لیکن کار کے نکلتے ہی اندر سے وہی نوجوان باہر نکلے جو خانیہ کے پاس اخبار لے کر آئے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ ''فون پر ضرغام صاحب سے رابطہ ہوگیا ہے، آ رہے ہیں۔''

''کہاں تھے؟''

''اپنے فارم ہاؤس پر تھے، لیکن کسی خاتون نے بات کی تھی۔ بڑی منت سماجت پر انہوں نے رابطہ کرایا۔ آواز لڑکھڑا رہی تھی، کہا تو ہے آ رہے ہیں، باقی اللہ جانے۔''

''نہیں۔ کوئی بات نہیں۔ انسان کے اندر کمزوریاں تو ہوتی ہیں۔ تم لوگ آرام کرو لیکن ہوشیار رہو۔ ان دنوں ہمارے اپنے لاپروا ہو رہے ہیں۔ تربیتی کورس کی ضرورت ہے، ٹھیک ہے جاؤ۔''

ان دونوں کے جانے کے بعد خانیہ بھی اپنی جگہ سے اٹھی اور اندر چل پڑی۔ صدر دروازہ ایک قوی ہیکل خادم نے کھولا تھا۔ خانیہ نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔ ''رشید خان! وہ ابھی ضرغام آتے ہوں گے، انہیں ہمارے بڑے کمرے میں پہنچا دینا۔''

''جی میڈم۔'' ملازم نے کہا اور خانیہ آگے بڑھ گئی۔ جس کمرے میں وہ داخل ہوئی، اسے کمرے کے بجائے ہال کہا جا سکتا تھا۔ یہاں اعلیٰ درجے کا فرنیچر تھا، تعیشات کے سارے انتظامات تھے۔ ایک خوبصورت کاؤچ پر بیٹھ کر اس نے سرہانے لگے جدید ساؤنڈ سسٹم پر بیرونی موسیقی لگا دی اور آنکھیں بند کر لیں۔ کافی دیر کے بعد کمرے کے دروازے سے آواز آئی۔

''میں اندر آ سکتا ہوں میڈم؟'' آواز سن کر وہ چونک پڑی۔ پھر اس کی نرم آواز ابھری۔ ''آیئے ضرغام۔'' ان الفاظ کے ساتھ اس نے موسیقی بند کر دی تھی۔ آنے والا بگڑی شکل کا ایک دراز قامت آدمی تھا۔ اندر آ کر اس نے سلام کیا۔

''کیسے ہیں آپ؟''

''آپ کی بادشاہت میں جی رہے ہیں۔''

''بیٹھو۔ بہت مصروف رہتے ہو، بلائے بغیر نہیں آتے۔''

''میڈم کے حکم کا منتظر رہتا ہوں۔''

''آ جایا کرو کبھی کبھی، اپنوں سے مل کر تقویت رہتی ہے۔ ان دنوں تھوڑی سی الجھن ہوگئی ہے۔''

''میڈم پر زندگی نثار۔ بتایئے کیا بات ہے؟'' ضرغام نے کہا۔

''وہی اس لڑکے کا مسئلہ ہے جسے تم نے اور دلبر نے اٹھایا تھا، وہ جسے مردود فرہاد نے فائل دے دی تھی جس میں ہمارے اہم ترین راز تھے۔''

''جی میڈم۔''

''کمبخت پر محب وطنی کا دورہ پڑا تھا۔ پتا نہیں کیا منصوبہ تھا اس کے دماغ میں، ہمیں بلیک میل کر کے تقدیر بنانا چاہتا تھا یا پھر دیوانہ تھا۔ ایسے دیوانے کبھی کبھی خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔ یہ بات جانتے ہو، کیا ہوا اسے اٹھانے کے بعد، فائل واپس مل گئی اس سے، اور کیا معلوم کیا اس سے۔''

''وہ اصل میں، میری کچھ طبیعت خراب ہوگئی تھی۔ دلبر نے کہا تھا کہ میں آرام کرلوں، وہ اسے ہینڈل کر لے گا۔ دلبر نے اس کے بارے میں کوئی رپورٹ نہیں دی۔''

''آپ دونوں نے آپس میں ہی سارے مرحلے طے کر لئے، ہمیں بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ حالانکہ بے حد خطرناک بات تھی اور اس سے ہم براہ راست متاثر ہو رہے تھے، پھر اس کے بعد آپ نے دلبر سے رابطہ بھی نہیں کیا۔''

''وہ بس میڈم۔''

''دلبر سے کب سے ملاقات نہیں ہوئی، کس حال میں ہے؟''

''میں آج ہی ساری بات معلوم کرتا ہوں۔''

''بات معلوم ہوگئی ہے۔ یہ دیکھو۔'' خانیہ سکندر نے اخبار اس کی طرف بڑھا دیا۔

ضرغام نے حیران حیران سے انداز میں اخبار اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

''پڑھو۔'' خانیہ بولی۔

اس نے اخبار کھول لیا۔ پھر وہ اسے پڑھنے لگا لیکن جوں جوں وہ پڑھتا جا رہا تھا، اس کے چہرے کا رنگ بدلتا جا رہا تھا۔ پھر اس کے چہرے پر بدحواسی نظر آنے لگی۔ پوری خبر پڑھ کر اس نے خانیہ کی طرف دیکھا جو آنکھیں بند کئے بیٹھی تھی۔ اس کے منہ سے بمشکل نکلا۔ ''یہ تو بہت برا ہوا، مگر مجھے کہیں سے اطلاع نہیں ملی۔''

''میری غلطی ہے، معافی چاہتی ہوں۔ مجھے تمہارے فارم ہاؤس آ کر تمہیں اطلاع دینی چاہئے تھی۔'' خانیہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''مجھے اپنی غلطی کا احساس ہے میڈم...... لیکن آپ بے فکر رہیں، اپنی اس غلطی کی تلافی میں ہی کروں گا۔''

''واقعی آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں، ہم تو بلاوجہ خود کو کچھ سمجھتے ہیں۔ اب یہ کھیل آپ کے ہاتھ میں ہے مگر ہماری سمجھ میں اس خود پسندی کی وجہ نہیں آئی۔ کیا ہم خود کو ایک معزول شخصیت سمجھیں؟''

''ایسی باتیں نہ کریں میڈم۔ ہم آپ کے جاں نثار ہیں۔ جو ہو چکا، اس میں میرا قصور ہے۔ جس کے لئے شرمندہ ہوں، آئندہ آپ کو کبھی شکایت نہیں ہوگی۔'' ضرغام نے عاجزی سے کہا۔

''بات ہماری شکایت کی نہیں ہے۔ فرہاد کو ہیڈ کوارٹر بھجوا دیا گیا ہے۔ ہم نے نہیں دوسروں نے کیونکہ اس کی غلطی ناقابل معافی ہے۔ اس نے ایک ایسی فائل کے بارے میں غفلت برتی جو زندگی موت کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس میں تمام مقامی پوائنٹس کی تفصیلات اور تصویریں تھیں۔ دیکھو ان کا کیا بنتا ہے۔ ہاں فرہاد کا کیا بنے گا، یہ ہم جانتے ہیں، بے چارہ لوگوں سے پوچھتا واپس آئے گا کہ میں کون ہوں۔''

ضرغام کانپ کر رہ گیا تھا۔ بمشکل اس کے منہ سے نکلا۔ ''معافی کا خواستگار ہوں۔''

خانیہ سکندر کچھ دیر کے لئے خاموش ہوگئی۔ پھر بولی۔ ''صورت حال سنگین اور نہ سمجھ میں آنے والی ہے۔ دلبر جانی پولیس کے قبضے میں ہے۔ اس کی زبان کھلوائی گئی ہے جس کی بنا پر اس نے پہلی کوٹھی کی نشاندہی کی اور وہاں سے پولیس نے علی رضا کو برآمد کیا۔ اس کی زبان آگے بھی کھلوائی جا سکتی ہے۔ اس کے بعد کیا ہوگا، آپ کو معلوم ہے؟''

''میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔''

''ارے نہیں، اب آپ کہاں تکلیف کریں گے۔ ہم سے جواب طلبی کی جائے گی۔ آپ کے مشاغل ذرا مختلف ہیں۔ آپ کو آرگنائزیشن کے اصول تو معلوم ہوں گے۔''

''اصول۔'' ضرغام نے گہری سانسیں لیتے ہوئے کہا۔

''ہاں! آپ بیمار ہیں اور آرگنائزیشن کے آئین میں ہے کہ گھوڑا لنگڑا ہو جائے تو......''

خانیہ نے ہاتھ اٹھایا تو اس کے ہاتھ میں سائیلنسر لگا پستول نظر آیا۔ ضرغام کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں۔

(جاری ہے)

اونچی اُڑان

قسط : 3

ایم اے راحت

''خانیہ، خانیہ! میں آپ کا جاں نثار ہوں۔'' ضرغام کی کانپتی آواز ابھری۔

''تو ہم پر جان نثار کردو۔'' خانیہ نے نرم لہجے میں کہا۔ لیکن اس کے چہرے پر بے پناہ سفاکی تھی۔ دوسرے لمحے اس کے پستول سے بہت ہلکی سی آواز ہوئی اور ضرغام کے سینے میں دل کی جگہ سوراخ ہوگیا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور پُرسکون انداز میں چلتی ہوئی کمرے سے باہر نکل آئی۔ کچھ لمحوں کے بعد وہ ایک دوسرے فرنشڈ کمرے میں داخل ہوئی اور بیش قیمت صوفے پر بیٹھ کر ایک قیمتی موبائل سیٹ پر کوئی نمبر ڈائل کرنے لگی۔ کچھ لمحوں کے بعد دوسری طرف سے رابطہ ہوگیا اور آواز آئی۔ ''جی میڈم خانیہ......''

''کہاں ہو ولی داد؟''

''تعمیل حکم ہوگئی ہے میڈم۔ آپ کو اطلاع دینے کی تیاری کر رہا تھا۔''

''ایک اخبار ہے، نام میں بتا رہی ہوں، جاؤ اسے حاصل کرلو، اس میں ہمارے دلبر جانی کے بارے میں خبر چھپی ہے۔''

''کیا میڈم۔'' ولی داد نے پوچھا۔

''دلبر جانی پولیس کے قبضے میں ہے۔ کس طرح کیا ہوا، اس کی تفصیل تمہیں اخبار سے معلوم ہوجائے گی۔ اس میں اہم بات یہ ہے کہ پولیس نے اسے ڈینی کلب سے گرفتار کیا ہے اور اسے ٹھوکریں مارتی ہوئی کلب سے لے گئی ہے، اس وقت سے وہ تھانے میں بند ہے۔''

''بہت حیرانی کی بات ہے۔ پولیس کو دلبر جانی جیسے دبنگ آدمی پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت کیسے ہوئی؟'' ولی داد نے کہا۔

''حیران بعد میں ہو لینا۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہمارا آدمی اس طرح بے یار و مددگار تھانے میں بند ہے۔ تھانیدار سے کہو کہ اسے فوراً چھوڑ دے۔ ہمارے جلال کو آواز نہ دے۔ جاؤ اسے تھانے سے نکال کر لاؤ اور ہمیں اطلاع دو۔''

''آپ بالکل مطمئن رہیں میڈم۔'' دوسری طرف سے آواز آئی اور خانیہ سکندر نے فون بند کردیا۔

☆......☆......☆

محکمے کے افسر اعلیٰ نے دوسری بار شاہ میر سے ملاقات کی تھی۔ شاہ میر نے قانون کے مطابق انہیں احترام دیا تھا۔ ''میں کوئی نئی سفارش نہیں لے کر آیا۔ مجھے ہدایت کی گئی ہے کہ اس بارے میں تم سے پھر بات کروں۔''

''جی سر۔''

''کیا بنا دلبر جانی کا؟''

''بند ہے سر۔ میں نے اس پر کوئی تشدد نہیں کیا۔ تفتیش کر رہا ہوں۔ علی رضا برآمد ہوجائے پھر دلبر جانی کے بارے میں فیصلہ کریں گے۔''

''کچھ پتا چلا اسے اغواء کرنے والے کون ہیں؟''

''پتا تو نہیں چلا۔ لیکن اندازہ ضرور ہے۔''

''کیا؟''

''انہی لوگوں نے اسے دوبارہ اغوا کیا ہے جو دلبر جانی کی نشاندہی پر روشنی میں آئے تھے اور جن کے پاس سے علی رضا برآمد ہوا تھا۔ انہوں نے پولیس سے باقاعدہ مقابلہ کیا، گولیاں چلائیں اور پسپا ہوکر فرار ہوگئے۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ پولیس علی رضا کو لے جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے راستے میں پولیس پارٹی پر حملہ کرکے علی رضا کو واپس حاصل کرلیا۔''

''یہ آپریشن تم نہیں کر رہے تھے؟''

''اپنی رپورٹ میں بتا چکا ہوں سر۔ میں اس وقت ایک اور کیس میں مصروف تھا۔''

''سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ لوگ دلبر جانی کو ساتھ کیوں نہیں لے گئے جبکہ دلبر جانی ان کا خاص آدمی ہے۔''

''یہ ایک احمقانہ کوشش تھی سر۔ وہ یہ باور کرانا چاہتے ہوں گے کہ دلبر جانی اس معاملے میں ملوث نہیں ہے ورنہ وہ اسے بھی ساتھ لے جاتے یا پھر ممکن ہے انہیں اس وقت یہ اندازہ نہ ہو کہ دلبر جانی بھی ہمارے ساتھ موجود ہے۔ لیکن آپ اس بات کو نظر انداز نہ کیجئے کہ ہماری تفتیش پر دلبر جانی نے ہی اس کوٹھی کی نشاندہی کی تھی جہاں سے علی رضا برآمد ہوا تھا۔''

''ہاں۔ بات میں وزن ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ دلبر جانی اس بات سے آسانی سے منحرف ہوجائے گا۔ اصل مشکل یہ ہے کہ وہ خانیہ سکندر کا خاص آدمی ہے اور اس طرف سے کارروائی ضرور ہوگی۔ میں اسی وجہ سے الجھن کا شکار ہوں۔ ویسے ایک بات بتاؤ، ایک اخبار نے فیچر چھاپا ہے جس سے سب کے اوسان خطا ہوگئے ہیں۔ اس اخبار کو اتنی تفصیلی بریفنگ کس نے دی؟''

''میں نے سر۔ اس کی وجہ آپ جانتے ہیں۔''

''کون ہے یہ اجمل شاہ۔ اس کی شامت آجائے گی۔''

شاہ میر ہنس پڑا۔ ''وہ کافی ٹوٹا پھوٹا آدمی ہے۔ کہتا ہے جتنا باقی رہ گیا ہوں، کافی ہے۔ جب تک سانس ہے، علم صحافت کو سرنگوں نہیں ہونے دوں گا۔''

افسر اعلیٰ کچھ الجھے ہوئے تھے۔ جاتے ہوئے بولے۔ ''ان حالات میں تمہیں ہوشیار رہنے کی ہدایت کرتا ہوں۔''

دوسرے دن شاہ میر جس وقت تھانے پہنچا تو اس کے آفس میں ایک شخص زمان شاہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ شاہ میر اسے پہچانتا تھا۔ یہ ایک نامی گرامی غنڈہ تھا، بے شمار جرائم میں ملوث۔

''آخاہ۔ ولی داد خان صاحب! زہے نصیب آپ نے ہمارے پاس آنے کی زحمت کی۔''

''زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں، جوانی نا سمجھ ہوتی ہے، سمجھانے آیا ہوں۔'' ولی داد نے کہا۔

''سوشل ورک شروع کردیا۔ اچھی بات ہے۔ بتایئے کتنے اڈے چل رہے ہیں آج کل۔ ایک بات میں بھی سمجھا دوں آپ کو۔ میرے تھانے کے علاقے میں کبھی کوئی غلط کام نہ شروع کرنا۔ خیر، کیسے آنا ہوا؟''

''دلبر جانی کو لینے آئے ہیں۔'' زمان شاہ نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

''واہ...... بہت خوب۔'' شاہ میر مسکرا کر بولا۔

''بہت غلط قدم اٹھایا ہے تم نے انسپکٹر۔ شاید تمہیں اس بات کا علم نہیں کہ ڈینی کلب ارب پتی لوگوں کا ہے۔ وہاں جو لوگ جاتے ہیں، وہ ملک کی تقدیر کے مالک ہوتے ہیں۔ پولیس نے جس طرح کلب میں داخل ہوکر دلبر جانی کو اٹھایا ہے، اس سے بڑی بے چینی پھیل گئی ہے۔''

''ارے واہ۔ اس کا مطلب ہے کہ دلبر جانی ارب پتی ہوچکا ہے۔''

''زیادہ اونچی اُڑان مت بھرو انسپکٹر۔ خطرناک قدم اٹھایا ہے تم نے، نقصان اٹھاؤ گے۔''

''لیکن جناب! دلبر جانی ایک شریف نوجوان کے اغوا میں ملوث ہے اور اس کی نشاندہی پر وہ نوجوان برآمد ہوا تھا جسے بعد میں شدید مجرمانہ عمل کرکے دوبارہ اغوا کرلیا گیا۔''

''دوبارہ کس نے اغوا کیا؟''

''یہ بھی دلبر جانی بتائے گا۔'' شاہ میر نے کہا۔

''کیسے بتائے گا؟'' ولی داد کی آنکھیں سرخ ہوگئیں۔

''جیسے اس نے علی رضا کے بارے میں بتایا ہے، اب اس کے زخم کافی ٹھیک ہوگئے ہیں۔''

''تشدد کیا ہے تم نے اس پر؟''

''ہاں۔ شرافت سے بھلا کون زبان کھولتا ہے۔''

''نتیجہ جانتے ہو؟''

''نہیں۔'' شاہ میر نے معصومیت سے کہا۔

''میں بتائے دیتا ہوں، تم شاید نہیں جانتے کہ اس کے پیچھے کون ہے، ہوش دلانے آیا ہوں۔ کسی پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے یہ دیکھ لینا چاہئے کہ کس کے پیچھے کون ہے۔''

''کیا واقعی اس کے پیچھے کوئی بڑی شخصیت ہے؟'' شاہ میر نے رازداری کا انداز اختیار کیا۔

''سوفیصد انسپکٹر، سوفیصد۔''

''مجھے اس کے بارے میں بتایئے۔''

''کس کے بارے میں؟''

''اس بڑی شخصیت کے بارے میں۔ ہم اس سے علی رضا کے بارے میں معلوم کریں گے کہ اسے دوبارہ اغوا کرکے کہاں رکھا گیا ہے۔ کیا پتا علی رضا کے اغوا میں اسی کا ہاتھ ہو۔''

''کیا تم مجھ سے مذاق کر رہے ہو انسپکٹر۔ میں تمہیں اس کے بارے میں بتاؤں گا۔''

''وہ تو آپ کو بتانا ہوگا جناب...... کیوں زمان شاہ۔ ولی صاحب کو اس شخصیت کے بارے میں معلوم ہے جو دلبر جانی کی پشت پر ہے، یہ ہمیں اس کے بارے میں بتائیں گے۔''

''جی سر۔ بالکل۔''

''بتایئے ولی داد صاحب، وہ کون ہے؟''

''کیا تم پاگل ہوگئے ہو؟'' ولی داد کے لہجے میں غراہٹ تھی۔

شاہ میر نے زمان شاہ کو دیکھ کر کہا۔ ''چلو شاہ جی، انتظام کرو۔ ولی داد صاحب ڈرائنگ روم کی سیر کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں وہاں لے جاکر اُلٹا لٹکا دو اور ان کے نیچے آگ جلادو۔ دماغ پگھلے گا تو ساری معلومات سامنے آجائے گی۔''

ولی داد کا چہرہ آگ کی طرح سرخ ہوگیا۔ اس کے منہ سے آواز نہیں نکل سکی۔ ادھر زمان شاہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا تھا۔

''میں انتظام کرکے آتا ہوں سر۔'' یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔

ولی داد اب کسی قدر نروس نظر آنے لگا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ ''تم مہمانوں کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہو؟''

''بالکل نہیں ولی داد صاحب، لیکن دیکھئے پولیس کی بھی کوئی ڈیوٹی ہوتی ہے، ہمیں مجرم تلاش کرنے پڑتے ہیں۔''

''میرے ساتھ کوئی بدسلوکی مت کرنا۔ میں اس کا نام جانتا ہوں جس نے مجھے یہاں بھیجا ہے کہ میں دلبر جانی کو آزاد کرادوں اور اس کے لئے تم سے بات کروں۔ اگر میں اس کی اجازت کے بغیر اس کا نام بتادوں گا تو میں بھی مارا جاؤں گا۔ میری تمہاری کوئی دشمنی نہیں ہے، کوئی درمیانی راستہ نکالو۔''

''وہ کیا؟''

''میں اس کے پاس جاکر اسے صورتحال بتاتا ہوں اور کوشش کرتا ہوں کہ اس سے تمہاری بات کرادوں۔''

شاہ میر سوچ میں ڈوب گیا۔ اتنی دیر میں زمان شاہ اندر آگیا۔ اس کے ساتھ دو سادہ لباس آدمی تھے۔ اس نے ولی داد کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اٹھیے۔''

''ٹھہرو زمان شاہ۔ ولی صاحب کچھ اور سوچ رہے ہیں۔ باہر رکو۔'' شاہ میر نے کہا۔

''ٹھیک ہے سر۔'' زمان شاہ نے کہا اور باہر نکل گیا۔

ولی داد کا چہرہ لٹک گیا تھا۔ اس نے کہا۔ ''میں جاتا ہوں، بات کرکے بتاتا ہوں۔''

''جتنی جلدی ہو بات کرلیں ورنہ آپ جہاں بھی ہوں گے، واپس یہاں آجائیں گے۔''

ولی داد بادلِ نخواستہ اٹھ گیا۔

کوئی ایک گھنٹے کے بعد تھانے کے فون کی گھنٹی بجی اور شاہ میر نے ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے ایک زنانہ پاٹ دار آواز سنائی دی۔ ''تھانہ انچارج سے بات کرایئے۔''

''جی۔ میں بول رہا ہوں۔ فرمایئے؟''

''انسپکٹر شاہ میر ہو؟''

''جی۔''

''لمبی عمر پاؤ، ترقی کرو۔ میرا نام خانیہ سکندر ہے۔''

''او ہو میڈم! میری خوش بختی کہ آپ سے بات کر رہا ہوں۔'' شاہ میر نے کہا۔

''میڈم نہیں، خانیہ...... صرف خانیہ۔ زیادہ احترام کرنا چاہتے ہو تو عالیہ خانیہ کہہ لو۔'' آواز آئی۔

''حکم عالیہ خانیہ!'' شاہ میر نے احترام سے کہا۔

''ملنا چاہتی ہوں تم سے، میرے گھر آجاؤ، میرے ساتھ چائے پیو، میں پتا بتاتی ہوں۔'' اس نے کوٹھی کا پتا بتایا پھر بولی۔ ''سات بجے میں انتظار کروں گی۔''

''ضرور حاضری دوں گا۔'' شاہ میر نے کہا اور دوسری طرف سے فون فوراً بند ہوگیا۔ شاہ میر کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر اس نے زمان شاہ کو طلب کرلیا۔

زمان شاہ نے اندر آکر سلوٹ کیا تو شاہ میر نے کہا۔ ''خانیہ سکندر کا فون آیا ہے، سات بجے مجھے کوٹھی طلب کیا ہے۔''

''آپ جائیں گے سر؟''

''ہاں۔ ضرور جائیں گے۔ دلبر جانی کو انڈر گراؤنڈ کردو یعنی تہہ خانے میں پہنچادو۔ تھانے کے باہر پہرہ چوکس کردو اور کچھ ضروری انتظامات بھی کرنے ہیں۔'' یہ کہہ کر شاہ میر زمان شاہ کو مزید ہدایات دینے لگا۔

☆......☆......☆

خانیہ سکندر کی کوٹھی پر آنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ خاص طور سے شام کو وہ اپنی کوٹھی کے لان پر محفل سجاتی تھی اور ضرورت مند اس کے پاس آتے تھے لیکن آج اس نے اپنے ملازمین کو ہدایت کی کہ اب وہ کوئی کال ریسیو کریں گی، نہ کسی سے ملاقات کریں گی۔ گیٹ پر بتادیا جائے۔ ایک شخص جس کا نام شاہ میر ہے، آئے گا، اسے احترام سے اندر پہنچادیا جائے۔

اس حکم پر عملدرآمد شروع ہوگیا۔ ولی داد اس وقت خانیہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ خانیہ نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا اور بولی۔ ''ولی داد! ناآگہی بڑی عجیب چیز ہے، انسان ناآگہی کی بنیاد پر نہ جانے کیا کیا کرلیتا ہے۔ طاقت کا اصل مخزن کیا ہے، جانتے ہو؟''

''نہیں میڈم۔'' ولی داد نے کہا۔

''عقل...... صرف عقل۔ جسم اگر عقل سے عاری ہو تو سمجھو کچھ بھی نہیں ہے۔ تم کسی معمولی سے بندے سے بھی مار کھا جاؤ گے۔ اصل طاقت عقل ہے اور میں ہر کھیل عقل کے بل بوتے پر کھیلتی ہوں اور آج تک شکست کا منہ نہیں دیکھا۔''

''ٹھیک ہے۔ لیکن وہ مجھے ایک مکار سانپ جیسا نظر آیا ہے، زہر سے بھرا ہو۔''

''مزا زہریلے سانپوں کو مارنے میں آتا ہے۔ یقین کرو اس نے اپنی تقدیر سیاہ کی ہے۔ ہمیں کسی کو دکھ دینے میں مزا نہیں آتا۔ غلطی اس کی ہے، اسے تھوڑی سی سزا ضرور دیں گے۔ کیونکہ اس نے ہمارے ولی داد کو ناراض کیا ہے۔''

''میڈم کے خادموں کا بڑا مرتبہ ہوتا ہے۔ اس نے دلبر پر تشدد کیا ہے۔ مجھے اس سے ملنے بھی نہیں دیا۔ اسے تھوڑی سزا نہیں، پوری سزا ملنی چاہئے۔'' ولی داد نے کہا۔

''فکر مت کرو، تمہاری تسلی ہوجائے گی۔''

اسی وقت ملازم نے آکر خبر دی کہ شاہ میر نامی ایک نوجوان ملنے آیا ہے اور خانیہ نے اسے بلانے کی ہدایت کی اور ولی داد کو اشارہ کردیا۔ پھر اس نے آنے والے کو دیکھا اور اس کے چہرے پر پیار بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔

''تمہاری اعلیٰ نسبی اور دانش کی خبریں ملتی ہیں کہ تم نے وردی میں یہاں آنے کی کوشش نہیں کی۔ ویسے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ یہاں بڑے بڑے تمغوں والے آتے رہتے ہیں لیکن تم نے اس خوبصورت لباس میں یہاں آکر ہمیں خوشی دی ہے۔ یوں بھی تم خوبصورت اور اسمارٹ جوان ہو، اور خوبصورت نوجوان ہمیں بہت پسند ہیں۔ آؤ یہاں ہمارے سامنے بیٹھو۔'' خانیہ نے سامنے پڑی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

شاہ میر نے اسے سلام کیا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔

''کتنا عرصہ ہوگیا نوکری کرتے ہوئے؟''

''گیارہ سال میڈم۔''

''جمعہ جمعہ آٹھ دن کی بات ہے۔ پولیس کی نوکری معمولی بات نہیں ہے، اس میں جوش کی جگہ ہوش سے کام لینا ہوتا ہے۔ قانون کا احترام بے حد ضروری ہے لیکن اس کے ساتھ قانون سازوں کا احترام بھی کرنا چاہئے۔''

''کرتا ہوں عالیہ خانیہ۔''

''نہیں کرتے، اور یہ ایک برا عمل ہے۔''

''کوئی غلطی ہوگئی مجھ سے؟''

''ہاں، وردی پہن کر یہ بھول گئے کہ کچھ لوگ قانون ساز ہوتے ہیں، کچھ قانون کے محافظ اور کچھ وہ جن کے لئے قانون بنتا ہے۔''

''لیکن میں نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ قانون ہر شہری کے لئے یکساں ہوتا ہے۔''

''کتابوں میں پڑھا ہے نا؟'' وہ مسکرا کر بولی۔

''جی۔''

''کتابیں لکھنے والے عام لوگ ہوتے ہیں۔ بہت سی باتیں ان کی سمجھ سے باہر ہوتی ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے لئے قانون بدلنا پڑتا ہے۔ یہ لوگ تقدیر گر ہوتے ہیں، تقدیر بدل دیتے ہیں۔ جن پر قانون لاگو ہوتا ہے، ان کی گردنوں میں قانون کی رسی ضرور ڈالو لیکن یہ رسی لے کر کسی ایسی گردن کی طرف نہ بڑھو جس کے لئے قانون بنتا ہے۔''

''جی خانیہ۔'' شاہ میر آہستہ سے بولا۔

''تمہارے منہ سے خانیہ کہنا بہت اچھا لگ رہا ہے۔ تو میں تمہیں سمجھا رہی تھی کہ انسپکٹر ہو، ڈی ایس پی بنو گے۔ پھر ایس پی اور پھر آگے بڑھتے جاؤ گے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ ایسے لوگوں کی فہرست اپنے پاس رکھو جس کے کتے کو چھڑکنے سے بھی تقدیر کے در بند ہوجاتے ہیں۔''

''یہ اقوال زریں ہیں، میں انہیں یاد رکھوں گا۔''

''ترقی پاؤ گے، کچھ بن جاؤ گے۔ دیکھو ایک آدمی پکڑا ہے تم نے، اس کا نام دلبر جانی ہے۔''

''جی ہاں۔ وہ میری تحویل میں ہے۔''

''ہمارا آدمی ہے وہ۔''

''او ہو اچھا۔ ایک نوجوان کو اغوا کرکے رکھا ہوا ہے اس نے، اس کی نشاندہی پر......''

''معلوم ہے مجھے، ساری کہانی معلوم ہے۔ لیکن اب وہ نوجوان کہاں ہے، یہ نہیں معلوم۔'' خانیہ نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

''اسے دلبر جانی کے ساتھیوں نے دوبارہ اغوا کرلیا ہے۔''

''نہیں، بچے ہو۔ اگر وہ دلبر کے ساتھی ہوتے تو اسے بھی ساتھ لے جاتے۔''

''نہیں، یہ ان کی چال تھی۔ وہ دلبر کو اس لئے نہیں لے گئے کہ اس سے شبہ ہٹ جائے اور وہ مفرور نہ کہلائے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک اور مکروہ عمل کیا ہے۔''

''کیا؟'' خانیہ بے اختیار بولی۔

''وہ علی رضا کے بیوی، بچوں کو بھی اٹھا کرلے گئے۔ وہ اپنے گھر میں نہیں ہیں۔''

''ایں۔'' خانیہ سکندر کے چہرے کے تاثرات ایک دم سخت ہوگئے۔ یوں لگا تھا جیسے وہ اندر سے کھول گئی ہو۔ لیکن پھر اس نے خود کو سنبھال کر کہا۔ ''ہوسکتا ہے وہ خود اپنے بچوں کو لے کر کہیں روپوش ہوگئی ہو۔'' شاہ میر نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ دوبارہ بولی۔ ''صورتحال جو بھی ہے، مجھے تم سے یہ کہنا تھا کہ دلبر جانی میرا بندہ ہے، اسے چھوڑ دو۔''

''چھوڑ دوں...... لیکن اس کی ایف آئی آر کٹ چکی ہے۔ اس کے بتانے پر علی رضا ایک کوٹھی سے برآمد ہوا تھا۔ بات اخبارات تک پہنچ گئی ہے۔ اس نے اغوا کا اعتراف کیا ہے۔ یہ معاملہ اب میرے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔''

''یہی تمہارا امتحان ہے۔ اب تم دیکھو کون سا داؤ لگا سکتے ہو۔ لیکن اسے باعزت چھوڑنا ہے اور ضرور چھوڑنا ہے۔''

''لیکن خانیہ صاحبہ۔ وہ علی رضا......''

''وہ مل جائے گا۔ یہ کام میں کرلوں گی۔''

''دلبر نے آخر اسے کیوں اغوا کیا؟'' شاہ میر نے بظاہر بے خیالی کے انداز میں کہا۔

''اسے نیکیوں کا ہیضہ ہوا تھا، وطن پرستی کا دورہ پڑا تھا۔ ایک ایسے کاروباری راز سے واقف ہوگیا تھا غلطی سے جس سے اسے واقف نہیں ہونا چاہئے تھا۔ اسے چانس دیا گیا کہ زندگی بچالے لیکن اس نے ذہانت کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی۔ کچھ کاغذات غائب کردیئے۔ ان لوگوں سے ٹکرانے کی کوشش کی جو بین الاقوامی حیثیت رکھتے ہیں۔ اب کس نے اس کے سلسلے میں کیا کیا، یہ مجھے نہیں معلوم لیکن معلوم کروں گی۔ تم دلبر کو چھوڑنے کا بندوبست کرو۔''

اسی وقت ایک اوباش اور آوارہ سا نوجوان لڑکا اندر داخل ہوگیا۔ وہ ایک خوبصورت جرسی اور پینٹ پہنے ہوئے تھا۔ ''ہیلو موم۔'' اس نے کہا۔

''ہیلو جم۔'' خانیہ مسکرا کر بولی۔

''سوشل ورک ہو رہا ہے؟'' نوجوان مسکرایا۔

''یہی سمجھ لو۔''

''کون ہیں یہ؟''

''پولیس آفیسر۔''

''او۔ گڈ...... میری ان سے دوستی کرادو موم۔ ایک پولیس آفیسر بھی میرا دوست ہونا چاہئے۔''

''اچھا ٹھیک ہے، اپنی خواہش پوری کرلو۔'' خانیہ نے مسکرا کر کہا۔

وہ ہونق سا آگے بڑھ کر بولا۔ ''ہیلو آفیسر۔ میرا نام جواد ہے، تم مجھے جم کہہ سکتے ہو، میں ان کا بیٹا ہوں۔''

''ہیلو سر۔'' شاہ میر کھڑے ہوکر جھکا۔

''یور کارڈ پلیز۔'' جواد نے کہا اور شاہ میر نے اپنا کارڈ نکال کر اسے دے دیا۔ وہ اسے پڑھتے ہوئے بولا۔ ''شاہ میر گڈ نیم...... لائیک یو...... میں تم سے ملوں گا۔''

''ضرور سر۔'' شاہ میر نے کہا۔

''اوکے موم!'' جواد کمرے سے نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی خانیہ کے چہرے کے نقوش پھر بدل گئے۔ اس کے تاثرات خوشگوار نہیں تھے۔ کچھ دیر کے بعد وہ بولی۔ ''اگر یہ تمہارے پاس آکر کسی غیر قانونی خواہش کا اظہار کرے تو مجھے بتائے بغیر اس کے لئے کچھ مت کرنا۔''

''جی خانیہ صاحبہ۔''

''ہاں۔ تو ہم کیا بات کر رہے تھے؟''

''آپ علی رضا کے بارے میں بتا رہی تھیں۔''

''ہاں! پتا نہیں کیا چاہتا تھا۔ بہت بڑے لوگوں سے جھگڑا مول لے لیا ہے اس نے۔''

''کیا وہ لوگ اسے ختم کردیں گے؟'' شاہ میر نے پوچھا۔

''سب کچھ ممکن ہے۔ چھوڑو اس تذکرے کو۔ یہ بتاؤ دلبر جانی کو کب چھوڑو گے اور سنو، ہم تمہیں اس کے عوض بہت کچھ دیں گے۔ ہمارے سائے میں آجاؤ گے جو حاصل ہوگا، اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔ بس اب جاؤ۔ جو بھی کرو، اسے فوراً چھوڑ دو۔ بس اب جاؤ۔ اتنا وقت ہم کسی کو نہیں دیتے۔''

شاہ میر کوئی جواب دیئے بغیر اٹھا اور سلام کرکے باہر نکل گیا۔ خانیہ عقب سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر اسی وقت پچھلے دروازے سے ولی داد باہر نکل آیا۔ خانیہ نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بولی۔ ''ہوں! کیا کہتے ہو؟''

''ٹیڑھا بندہ ہے۔''

''ٹیڑھا نہیں، بہت ٹیڑھا اور خاصا خطرناک۔ جو لوگ بظاہر ایسے مرنجان مرنج دکھائی دیتے ہیں، وہ اندر سے بڑے بھیانک ہوتے ہیں۔''

''سو فیصد میڈم۔''

''ویسے کیا خیال ہے، وہ دلبر کو رہا کردے گا؟''

''ناممکن۔''

''ہمارا بھی یہی خیال ہے۔ لیکن ہم ناممکن کو ممکن بنانا جانتے ہیں۔ تم ہمارا بھی فن دیکھنا۔ سنو، میں جو کہہ رہی ہوں اسے غور سے سنو۔'' خانیہ نے کہا اور ولی داد کو کچھ سمجھانے لگی۔

☆......☆......☆

صفورا نے آفس میں داخل ہوکر شاہ میر کو سلام کیا تو اس نے مسکرا کر گردن ہلادی۔ ''کیسے ہیں؟'' اس نے اپنی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''یہ تو آپ ہی بتا سکتی ہیں۔''

''بہت اچھے ہیں۔'' صفورا خوشگوار موڈ میں تھی۔

''اچھی چیزوں کو خود سے زیادہ دور نہیں رکھتے۔''

''دور نہیں ہیں۔'' صفورا بولی اور شاہ میر مسکرانے لگا۔

''چلئے اتنا کافی ہے، ان کی خبر لی۔''

''ہاں، ٹھیک ہیں، فون پر بات کی تھی۔''

''میں نے کل شام خانیہ سکندر سے ملاقات کی ہے۔'' شاہ میر نے کہا اور صفورا نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''چائے کی دعوت دی تھی لیکن چائے پلانا بھول گئی۔'' شاہ میر نے مختصراً تفصیل بتائی، پھر بولا۔ ''کبھی کبھی یہ بڑے لوگ خود کو بہت بڑا ظاہر کرنے کے لئے ایسی حرکتیں کرتے ہیں لیکن ان کی ایسی کوئی حرکت بڑی کارآمد ہوتی ہے۔''

''کیسے؟'' صفورا نے پوچھا۔

''اگر وہ واقعی چائے منگوالیتی تو مجھے بڑی پریشانی ہوتی۔ وہ اس چائے میں مجھے کوئی چیز بھی دے سکتی تھی، زہر یا کوئی نشہ آور دوا۔''

''ہاں۔'' صفورا نے تشویش سے کہا۔

''لیکن میں اس سے کچھ لے آیا ہوں۔''

''کیا؟'' صفورا نے کہا اور شاہ میر نے میز کی دراز کھولی اور اس سے دو انچ کے قطر کے دو اسپیکر نکال کر میز پر رکھ دیئے۔ پھر جیب سے ایک بے حد خوبصورت لائٹر نکالا، ساتھ ہی سگریٹ کا پیکٹ بھی۔

''سگریٹ۔ آپ کی جیب میں۔''

''ہاں! خدا کا شکر ہے، پینے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔''

''بات سمجھ میں نہیں آئی۔''

''سمجھاتا ہوں۔'' شاہ میر نے کہا اور لائٹر کا نچلا ڈھکن کھول لیا۔

اس میں سے ایک باریک سی لیڈ نکال کر اس کے دونوں سرے چھوٹے اسپیکروں سے منسلک کردیئے، پھر لیڈ کا دوسرا سرا جس پر سوئچ لگا ہوا تھا، لائٹر سے منسلک کرکے لائٹر کا بٹن دبادیا۔ اسپیکروں سے سرسراہٹ ابھری اور پھر ایک انسانی آواز سنائی دی۔

''تمہاری اعلیٰ نسبی اور دانش کی خبریں ملتی ہیں کہ تم نے وردی میں یہاں آنے کی کوشش نہیں کی۔''

''یہ خانیہ سکندر کی آواز ہے۔'' شاہ میر نے کہا۔ آواز نہایت واضح تھی۔ صفورا اسے پُرشوق انداز میں سنتی رہی، پھر بات مکمل ہوگئی اور یہ ننھا سا ٹیپ ریکارڈر ہلکی سی چٹ کی آواز کے ساتھ بند ہوگیا۔

''مائی گاڈ۔ یہ تو بہت بڑا کام ہوا ہے۔''

''کمبخت چائے پلانا بھول گئی۔ یہ سگریٹ کا پیکٹ میں نے اسی لئے جیب میں رکھا تھا کہ اگر کسی طرح لائٹر منظر عام پر آجائے تو اسے لائٹر ہی سمجھا جائے۔''

''یہ کہاں سے آیا۔ میں نے اسے پہلے تو آپ کے پاس نہیں دیکھا۔''

''میرے ایک جاپانی دوست نے مجھے گفٹ بھیجا ہے۔''

''غضب کی چیز ہے۔'' صفورا نے تعریفی انداز میں کہا، پھر کسی قدر فکرمند لہجے میں بولی۔ ''لیکن شاہ میر، بہت خطرناک عورت لگتی ہے، بہت لمبے ہاتھ لگتے ہیں اس کے۔''

''مجھے بھی ہاتھیوں کے شکار میں لطف آتا ہے، تیتروں کو مارنا بھی کوئی شکار ہوتا ہے۔''

''اللہ آپ کی حفاظت کرے۔'' صفورا نے کہا۔ کچھ دیر کے بعد وہ کسی کام سے چلی گئی۔

دن کے بارہ بجے کا وقت تھا جب ولی داد، شاہ میر کے آفس میں داخل ہوا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی خوشگوار مسکراہٹ تھی۔ وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر آگے بڑھا اور بولا۔ ''خانیہ نے مجھے بہت بڑی خوشخبری سنائی ہے شاہ صاحب۔ وہ یہ کہ آپ اب ہمارے آدمی ہیں، میری خوشی کی انتہا نہیں ہے، ایک بار گلے مل لیں۔''

شاہ میر مسکراتا ہوا کھڑا ہوگیا۔ ولی داد بڑے خلوص سے اس سے گلے ملا۔ شاہ میر نے بھی پوری گرم جوشی دکھائی تھی اور اسے بھینچ بھینچ کر سینے سے لگالیا تھا، پھر اس نے ولی داد کو خلوص سے بیٹھنے کی پیشکش کی اور ہنستا ہوا بولا۔ ''میں بھی بہت خوش ہوں، بہت بڑی شخصیت کی سرپرستی حاصل ہوئی ہے۔ مجھے تو پہلے اندازہ ہی نہیں تھا۔''

''ناتجربہ کاری ہے آپ کی شاہ جی۔ اتنا بڑا عہدہ سنبھالنے کے بعد سب سے پہلے آپ کو ان بڑے لوگوں کے بارے میں معلوم کرنا چاہئے تھا جن کے سامنے سر جھکائے رکھنے سے ترقی ملتی ہے۔''

''جی ولی داد صاحب۔ اصل میں میرا سر جس کے حضور جھکتا ہے، وہ سب سے بڑی ہستی ہے۔''

''خانیہ فوراً دلبر جانی سے ملنا چاہتی ہیں۔ مجھ سے کہا ہے کہ اسے اپنے ساتھ لے کر آؤں اور ہاں اس خدمت کے صلے میں آپ کو اتنا کچھ ملے گا جس کا آپ تصور بھی نہیں کرسکتے۔ لیکن خانیہ کا غصہ فرو ہوجانے کے بعد۔''

''خانیہ اب بھی غصے میں ہیں؟'' شاہ میر نے پوچھا۔

''ان کا مزاج ایسا ہی ہے۔ جب تک وہ دلبر جانی کو اپنے پاس نہیں دیکھ لیں گی، ان کا موڈ خراب رہے گا۔''

''میں کوشش کرکے انہیں سمجھادوں گا کیونکہ جب تک دلبر جانی، علی رضا کو آزاد نہیں کردے گا، قانونی طور پر اسے چھوڑنا ممکن نہیں ہوگا۔ آپ لوگ اس کی ضمانت کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟'' شاہ میر نے کہا اور ولی داد کا چہرہ ست گیا۔

''گویا آپ اسے میرے ساتھ روانہ نہیں کر رہے؟''

''یہ پولیس اسٹیشن ہے ولی داد صاحب۔ خالہ جی کا گھر نہیں ہے۔ یہاں قانون رہتا ہے اور سب کچھ اسی کے تحت ہوتا ہے۔''

''قربان جاؤں خانیہ کی دوراندیشی کے۔ انہوں نے پیش گوئی کردی تھی کہ یہ بندہ جس کا نام شاہ میر ہے، اس کا سوئچ دوسرا ہے جسے دبائے بغیر......'' اس نے رک کر گھڑی دیکھی، پھر آہستہ سے ہنس پڑا۔ ''آپ کے مہمان آگئے۔''

شاہ میر کچھ نہیں سمجھا تھا لیکن اسے ولی داد کی ٹائمنگ کی داد دینی پڑی کیونکہ بات ختم ہوتے ہی اینٹی کرپشن کی ایک ٹیم ایک بڑے افسر کی سربراہی میں اندر داخل ہوگئی۔

افسر نے کہا۔ ''مسٹر شاہ میر، آپ براہ کرم دونوں ہاتھ سامنے کرکے کھڑے ہوجائیں۔''

شاہ میر نے کھڑے ہوکر سلوٹ کیا اور ہاتھ سیدھے کرکے کھڑا ہوگیا۔ افسر نے ساتھ آئے ہوئے لوگوں کو اشارہ کیا اور وہ میز کے گرد پھیل گئے۔

افسر نے ولی داد سے کہا۔ ''آپ نے رشوت دے دی ولی داد صاحب؟''

''جی سر۔''

''سودا ہوگیا؟''

''جی سر۔'' ولی داد نے جواب دیا۔

''سر! معلوم کرسکتا ہوں، کیا بات ہے؟'' شاہ میر نے متانت سے پوچھا۔

''جی انسپکٹر شاہ میر۔ ولی داد صاحب نے اینٹی کرپشن کو رپورٹ دی ہے کہ آپ دلبر جانی نامی ملزم کی رہائی کے لئے پانچ لاکھ رشوت طلب کر رہے ہیں اور اب یہ رشوت آپ کو دے دی گئی ہے۔''

''سر، یہ شخص ایک خطرناک جرم میں ملوث شخص کی رہائی کے لئے مسلسل مجھے رشوت کی پیشکش کر رہا ہے۔ جس شخص کو یہ رشوت دے کر رہا کرانا چاہتا ہے، اس نے ایک پورے خاندان کو اغوا کر رکھا ہے۔ اس نے پولیس پارٹی پر خواب آور گیس کے بموں سے حملہ کرواکر دوبارہ اس نوجوان کو اغوا کرایا ہے جسے پولیس نے اس کی نشاندہی پر برآمد کیا تھا۔ اس کے خلاف تھانے میں ایف آئی آر درج ہے۔ اسے کیسے رہا کیا جاسکتا ہے۔ اس وقت بھی یہ یہاں بیٹھا مجھے مسلسل دھمکیاں دے رہا تھا کہ میں اگر رشوت لے کر اس ملزم کو رہا نہیں کروں گا تو یہ اتنا بااثر ہے کہ میری نوکری بھی ختم کراسکتا ہے۔ سر میں اب اسے دھکے دے کر نکالنے کا فیصلہ کر رہا تھا۔''

''آپ نے اس کی دی ہوئی رشوت قبول کرلی؟''

''سر۔ میرا ریکارڈ بے داغ ہے۔''

''ولی داد صاحب نے پانچ لاکھ کے نوٹوں کی گڈی اینٹی کرپشن سے مارک کرائی ہے۔''

''سر۔ میں رشوت پر تھوکتا ہوں۔''

''کیوں ولی داد صاحب۔'' افسر نے ولی داد کو گھور کر دیکھا۔

''اور تھوک کر رشوت کی رقم جیب میں رکھ لیتے ہیں۔'' ولی داد ہنس کر بولا۔

''سر۔ یہ پورے محکمہ پولیس کی توہین ہے۔ میں متعلقہ آرٹیکل کے حوالے سے اس شخص کے خلاف فوری کارروائی چاہتا ہوں۔ آن ڈیوٹی پولیس آفیسر پر اس کے تھانے میں رشوت لینے کا الزام، اینٹی کرپشن کو دھوکا۔ آفیسر کے خلاف کارروائی کرانے کی کوشش پر تین دفعات عائد ہوتی ہیں۔ میرے سامنے میرے سینئر افسر موجود ہیں۔ مجھے اجازت دیں کہ میں گواہی کے لئے اپنا عملہ طلب کرلوں۔''

''ہاں! آپ اپنے عملے کو طلب کرلیں۔ میں انہیں بلاتا ہوں۔'' اعلیٰ افسر نے اپنے آدمی کو اشارہ کیا اور وہ باہر نکل گیا۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ زمان شاہ بھی آگیا تھا۔

تب اعلیٰ افسر نے کہا۔ ''آپ نے رشوت قبول نہیں کی؟''

''جی سر۔''

''اس شخص نے آپ کو پیشکش کی؟''

''جی۔''

''آپ تلاشی دیں گے؟''

''مجھے اعتراض نہیں ہے سر۔''

''اوکے۔ آپ آگے آجایئے۔'' افسر اعلیٰ نے کہا اور شاہ میر دونوں ہاتھ سیدھے کئے آگے آگیا۔ زمان شاہ کی آنکھیں خون کی طرح سرخ ہوگئی تھیں۔ اس کے جبڑے بھنچ گئے تھے۔ افسر اعلیٰ نے شاہ میر کے لباس کی تلاشی لی۔ پھر اپنے آدمیوں سے کہا۔ ''میز کی درازوں اور کیبنٹ کی تلاشی لو۔'' عملہ تعمیل کرنے لگا۔ پھر اطلاع دی کہ رقم کہیں موجود نہیں ہے۔

تب افسر اعلیٰ نے ولی داد کو گھورتے ہوئے پوچھا۔ ''آپ رقم دے چکے ہیں ولی داد صاحب۔''

''ابھی دی ہے سر۔ یہ تو جادوگر معلوم ہوتا ہے۔'' ولی داد کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمودار ہونے لگے۔

''آپ نے اینٹی کرپشن سے پانچ لاکھ کے نوٹوں کی گڈی مارک کرائی تھی۔''

''وہ میں نے اسے دی ہے۔''

''اور انہوں نے لے لی ہے۔''

''جی...... جی ہاں۔'' ولی داد ہکلا کر بولا۔

''آپ نے خود دیکھ لیا۔ نوٹ ان کے پاس سے برآمد نہیں ہوئے۔''

''میں حیران ہوں۔''

''اس کا مطلب ہے کہ آپ نے ان سے جرم کرانا چاہا جو انہوں نے نہیں کیا اور آپ ان کے خلاف اپنی سازش میں ناکام ہوگئے۔ آپ نے ہمارے محکمے کے ایک بے حد نیک نام افسر پر جھوٹا الزام لگایا، اینٹی کرپشن کو دھوکا دے کر ملوث کیا۔ تلاشی دیجئے۔ شاہد علی ان کی تلاشی لو۔'' افسر اعلیٰ نے اپنے ساتھی کو حکم دیا۔

''ارے واہ۔ یہ تو الٹا چور کوتوال کو ڈانٹنے والی مثال ہوئی۔ میری تلاشی کیوں لی جائے گی؟''

''پتا چل جاتا ہے کون چور ہے کون کوتوال۔ چلو تلاشی لو۔'' افسر نے کہا۔

اور اینٹی کرپشن کے آدمی نے آرام سے پانچ ہزار کے نوٹوں کی نشان زدہ گڈی ولی داد کی جیب سے نکال لی۔

''مل گئی سر۔'' شاہد علی نے گڈی سامنے کردی۔ افسر اعلیٰ کی آنکھیں شرربار ہوگئیں۔ اس نے گڈی ہاتھ میں لے کر دیکھی، پھر ولی داد کو جس کا چہرہ دھواں دھواں ہوگیا تھا۔

''یہ کیا ہے؟''

''مم...... میں...... یہ...... یہ۔'' ولی داد کی آواز لرز رہی تھی۔

''شاہ میر صاحب، آپ اس کے خلاف درخواست لکھئے کہ اس نے آپ کے اور آپ کے تھانے کے عملے کے خلاف سازش کی، اینٹی کرپشن کو اس میں ملوث کیا، میں اور میرے ساتھ آنے والے عملے کے لوگ اس کے گواہ ہوں گے، ہم اس کے خلاف وہ کارروائی کریں گے کہ یہ ہمیشہ یاد رکھے گا۔''

''سر، میری بات سن لیں۔'' ولی داد نے کہا۔ ادھر شاہ میر، زمان شاہ کو ہدایات دینے لگا تھا۔

''چلواسے ہتھکڑی لگاؤ۔'' افسر اعلیٰ نے اپنے ماتحت کو حکم دیا۔ پھر شاہ میر سے بولا۔ ''آفیسر! چونکہ آپ اس کیس کے فریق ہیں، اس لئے میں اسے آپ کی تحویل میں نہیں دے سکتا لیکن آپ اطمینان رکھیں۔ اس نے آپ کی نہیں بلکہ پورے پولیس ڈپارٹمنٹ کی توہین کی ہے۔ میں اسے بدترین سزا دلوا کر رہوں گا۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔''

''تھینک یو سر۔'' شاہ میر نے کہا۔

ولی داد کو ہتھکڑی لگائی جانے لگی تو اس نے جلدی سے جیب میں ہاتھ ڈال کر موبائل فون نکالا اور بولا۔ ''رکو میں ایک فون کروں گا۔'' لیکن افسر اعلیٰ نے ہاتھ بڑھا کر فون اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔

''اپنے باپ کی کوٹھی میں بیٹھے ہو کیا، جو فون کرو گے، خاموش بیٹھو۔''

''آفیسر، اپنی زندگی کم کر رہے ہو۔'' ولی داد نے سانپ کی طرح پھنکار کر کہا۔ ''تمہیں معلوم نہیں میں کون ہوں؟''

''بے فکر رہو۔ یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ تم کون ہو۔''

''سر، صرف دس منٹ کے لئے میری ڈیوٹی لگادیں، صرف دس منٹ مجھے دے دیں، یہ اپنی پیدائش کا صحیح وقت بھی بتادے گا۔'' زمان شاہ نے کہا اور افسر مسکرا دیا۔

''سوری ایس آئی۔ تم لوگ فریق ہو لیکن بے فکر رہو، ہم تمہارے ہی قبیلے کے ہیں، سب ٹھیک ہوجائے گا۔''

اس وقت ایک دلچسپ واقعہ ہوا۔ نہ جانے اجمل شاہ کی پسلی کیسے پھڑک گئی۔ وہ اپنے دلچسپ مسئلے کے ساتھ اندر آگیا۔ اندر کا منظر دیکھ کر اس نے گھگھیائی ہوئی سی آواز میں کہا۔ ''سر، میں شیطان صورت ضرور ہوں، شیطان نہیں ہوں، بس روزی کی تلاش میں پھیری لگاتا ہوں۔''

''کون ہیں آپ؟'' افسر نے پوچھا۔

''مظلوم ملت، ایک صحافی ہوں سرکار، جس کی تقدیر میں روٹی کم ڈنڈے زیادہ ہوتے ہیں۔ کبھی یہ ڈنڈے پولیس مارتی ہے، کبھی دوسرے صاحب ذوق۔ شکایت یہ ہے کہ بھوکے پیٹ مارتے ہیں حالانکہ محاورہ کھلا پلا کے مارنے کا ہے۔''

''کون سے اخبار کی رپورٹنگ کرتے ہیں؟'' افسر نے پوچھا اور اجمل شاہ نے اپنے اخبار کا نام بتایا۔ ''چلئے آپ تصویریں بنایئے، پوری رپورٹ آپ کو انچارج صاحب دیں گے۔'' افسر نے اجمل شاہ کی دلچسپ باتوں پر مسکرا کر کہا اور اجمل شاہ نے اپنا کیمرہ سنبھال لیا۔ جب اس نے خاطر خواہ تصویریں بنالیں تو افسر اعلیٰ نے اسے باہر جانے کا اشارہ کردیا اور وہ شکریہ ادا کرکے باہر نکل گیا۔

اتنی دیر میں درخواست تیار ہوچکی تھی۔ افسر اعلیٰ نے اس پر نوٹ لکھ کر دستخط کئے۔ ایف آئی آر رجسٹر پر دستخط ہوئے۔ تمام ضمنی کارروائی کے بعد افسر اعلیٰ ملزم کو لے کر چلے گئے۔ شاہ میر کے چہرے پر خوشی کے آثار تھے۔ اس نے اجمل شاہ کو اندر بلالیا۔

''سخت بے چین ہوں شاہ صاحب۔ بڑی عزت بڑھ گئی ہے، دوسرے اخبارات نے مبارکبادیں دی ہیں، اسی چکر میں اس وقت حاضری ہوئی تھی، ضرور اس وقت کوئی بڑی خبر میرا انتظار کر رہی ہے۔''

''یقیناً اجمل شاہ۔ اپنی شعلہ بیانی دکھایئے، سرخی لگایئے، محکمہ پولیس کے خلاف سازش، خفیہ ہاتھ محکمہ پولیس کو اپنے اشاروں پر نچانے کے لئے سرگرداں۔''

''زندہ باد۔'' اجمل شاہ نے کہا اور شاہ میر اسے تفصیل بتانے لگا۔ اجمل شاہ نوٹس لے رہا تھا۔ وہ بہت مسرور نظر آرہا تھا۔ رپورٹ مکمل کرنے کے بعد اس نے کہا۔ ''دم لگ گیا ہے سر، کھسک جاؤں؟''

''کوئی چائے وائے چلے گی۔'' شاہ میر نے کہا۔

''دوبارہ حاضری دوں گا سر، پیٹ پھول گیا ہے، لاٹری نکل آئی ہے میری۔'' اجمل شاہ نے کہا اور ہاتھ ملا کر باہر نکل گیا۔

شاہ میر بہت خوش تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ولی داد، خانیہ کے خطرناک منصوبے کے ساتھ یہاں آیا تھا حالانکہ خانیہ نے بڑے بیٹھے اور محبت بھرے انداز میں اس سے اپنی مافی الضمیر بیان کیا تھا اور ظاہر کیا تھا کہ وہ شاہ میر سے مطمئن ہوگئی ہے لیکن شاہ میر کی عقابی آنکھوں نے اس کی شخصیت کا اندازہ لگالیا تھا۔ یہ عورت ہفت رنگ تھی اور شاہ میر کا اندازہ بالکل ٹھیک نکلا۔ خانیہ نے ولی داد کے ذریعے سازش کی اور اسے رشوت کے الزام میں پھنسانے کی کوشش کی تاکہ اس کے لئے اس کی سفارش کرکے اسے اپنا مطیع کرلے۔ لیکن شاہ میر نیک فطرت تھا۔ قدرت اس کی مدد کرتی تھی۔ ولی داد جس طرح اس کے آفس آکر اس سے گلے ملا تھا، یہ غیر فطری بات تھی۔ شاہ میر ایک دم چونکا تھا۔ ولی داد ممکن ہے ابتدائی طور پر جیب کترا رہا ہو، کیونکہ اس نے انتہائی صفائی سے نوٹوں کی گڈی شاہ میر کی جیب میں منتقل کی تھی لیکن شاہ میر بھی کم نہیں تھا۔ اس نے ولی داد سے مزید گرم جوشی کا اظہار کرکے گڈی واپس اس کی جیب میں پہنچادی تھی اور ولی داد کو پتا نہیں چل سکا تھا۔

اس وقت اس نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا تھا کہ اسے بروقت احساس ہوگیا تھا، پھر اسے خانیہ سکندر کا خیال آیا۔ اپنی اس ایک اور ناکامی پر اس کا ردعمل اور خطرناک ہوگا۔ اس سے بچاؤ کرنا تھا۔ چنانچہ وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ زمان شاہ نے اس کی ہدایت کے مطابق دلبر جانی کو تہہ خانے میں پہنچادیا تھا۔ تہہ خانے میں وہ دلبر جانی کے سامنے پہنچ گیا۔

''کہئے دلبر صاحب۔ کیسے مزاج ہیں آپ کے؟''

''ماں ہے تمہاری؟'' دلبر جانی نے غضبناک لہجے میں کہا۔

''خدا کے فضل سے۔''

''اس سے کہو تمہاری خیر مانگے۔''

''مانگتی ہے۔'' شاہ میر مسکرا کر بولا۔

''آؤ گے، بہت جلد چھری کے نیچے آؤ گے۔''

''فی الحال تو تمہاری مقدر کی سکندر پورس بنی ہوئی ہے، بڑی مصیبت میں گرفتار ہے۔'' شاہ میر اسے ولی داد کی گرفتاری کی پوری تفصیل بتانے لگا۔

دلبر جانی پر عجیب سا اثر ہوا۔ اس نے کہا۔ ''ولی داد گرفتار ہوگیا؟''

''ہاں۔''

''اس کے بعد خانیہ سے تمہاری ملاقات ہوئی؟''

''ابھی نہیں۔'' شاہ میر نے کہا۔ اسے دلبر جانی کے انداز میں تبدیلی کا احساس ہوگیا تھا۔ دلبر جانی کی آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا۔ وہ بار بار ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ ''آفیسر! میری تم سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے۔''

''پولیس کی کسی سے ذاتی دشمنی نہیں ہوتی، بس اس کا قانون شکنوں سے تنازع ہوتا ہے۔''

''تو مجھے بچاؤ میری زندگی خطرے میں پڑ گئی ہے۔ خدا کے لئے مجھے کسی ایسی جگہ قید کردو جہاں مجھے قتل نہ کیا جاسکے، مجھے قتل کردیا جائے گا، اسے لکھ لو، اب مجھے قتل کردیا جائے گا۔''

''کون قتل کرے گا؟''

''کوئی بھی۔ اس کے پاس سیکڑوں قاتل ہیں۔''

''کس کی بات کر رہے ہو؟''

''ارے تم جانتے ہو۔ میں ہار گیا۔ میں نے ہار مان لی ہے انسپکٹر۔ میں مرنا نہیں چاہتا، مجھے بچالو۔ وہ مجھے رہا کرانے میں ناکام رہی ہے۔ ولی داد بھی پھنس گیا، وہ اب دیوانی ہوجائے گی۔ سب سے پہلے ہماری باری آئے گی کہ ہم پولیس کے جال میں کیوں پھنسے اور وہ ہمیں ختم کرادے گی۔''

''تم نے بدتمیزی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ مجھے تمہاری زندگی سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے۔''

''ایسا مت کرو، میں سچ کہہ رہا ہوں، وہ کچھ بھی کرسکتی ہے، تم اس کی دیوانگی کو نہیں جانتے۔ اس وقت مجھے بچالو، بعد میں اگر عدالت مجھے سزا دے گی تو میں بھگت لوں گا۔ میں تمہیں سب کچھ بتادوں گا، ایک ایک لفظ سچ بتادوں گا، وعدہ کرتا ہوں۔''

''نہیں دلبر جانی۔ مجھے تم سے کچھ نہیں معلوم کرنا، میں سب کچھ خود معلوم کرلوں گا۔''

''مان لو۔ میں تمہارے ہاتھ جوڑتا ہوں، تم کچھ بھی معلوم کرلو، اس کے خلاف کچھ نہیں کرسکو گے۔ دیکھو میری زندگی بچالو۔ میرے جرائم کے سلسلے میں تم مجھے عدالت میں پیش کردینا لیکن ابھی مجھے بچالو، میں تمہارا احسان مانوں گا۔''

''فی الحال تم یہاں محفوظ ہو، کوئی کتنا ہی خطرناک ہو، یہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ میں مزید نگرانی بڑھائے دیتا ہوں، بعد میں تمہیں بتاؤں گا۔''

''مار دے گی، وہ مجھے مار دے گی۔ تم مجھے مروانا ہی چاہتے ہو تو تمہاری مرضی۔'' وہ بے بسی سے بولا۔

شاہ میر تہہ خانے سے واپس چل پڑا۔

(جاری ہے)

قسط : 4

ایم اے راحت

شاہ میر تہہ خانے سے باہر نکل آیا۔ دلبر جانی کے سارے کس بل نکل گئے تھے۔ ولی داد کی گرفتاری کی خبر نے اسے حواس باختہ کردیا تھا۔ اس کی وجہ بھی اس نے بتادی تھی۔ خانیہ کو مسلسل شکست ہورہی تھی اور وہ اسے اپنے کارکنوں کی نااہلی قرار دے کر انہیں موت کی سزا دے گی۔ دلبر جانی اس احساس سے خوفزدہ تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ خانیہ اس طرح کی سزا پہلے بھی کسی کو دے چکی ہے۔ کاش ایسی کوئی واردات میرے علم میں آجائے۔ شاہ میر نے سوچا۔

زمان شاہ آگیا۔ اس کے ہونٹوں پر خوشگوار مسکراہٹ تھی۔ وہ مسرور لہجے میں بولا۔ ”بڑا مزا آرہا ہے سر جی۔ آپ نے تو اس کے بارہ بجادیئے۔“ شاہ میر نے کچھ نہیں کہا تو وہ دوبارہ بولا۔ ”تقدیر کا اچھا تھا کہ اینٹی کرپشن والے اسے اپنے ساتھ لے گئے۔ ورنہ میں دل کی ساری حسرت نکال لیتا۔“

”بس زمان شاہ۔ ہماری کسی سے ذاتی دشمنی نہیں ہوتی۔ ویسے دشمن خطرناک ہوتا جارہا ہے۔ پے در پے ناکامیاں اس کی دیوانگی بڑھا رہی ہیں۔ اس لئے بڑی ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ خانیہ ایک خطرناک عورت ہے۔ اس نے مجھے بلا کر مفاہمت کی باتیں کیں اور یوں ظاہر کیا جیسے میری طرف سے مطمئن ہوگئی ہے لیکن دوسری طرف اس نے ولی داد کو رقم دے کر مجھے رشوت ستانی کے کیس میں پھنسانے کی کوشش کی۔ جانتے ہو وہ کیا چاہتی تھی؟“

”نہیں۔ شاہ صاحب۔“

”اس کے زبردست تعلقات ہیں۔ وہ بعد میں میری سفارش کر کے مجھے اس کیس سے نکلواتی اور اپنی دانست میں مجھے اپنا احسان مند کر کے غلام بناتی۔ یہ اس طرح کے لوگوں کے ہتھکنڈے ہوتے ہیں۔“

”لیکن وہ کرنا کیا چاہ رہی ہے سر۔“

”کوئی بڑا کام کرنا چاہتی ہے۔ اور میں یہ بتادوں کہ وہ محض آلہ کار ہے۔ یہ کھیل دوسرے لوگوں کا ہے۔“

”سر جی۔ اس بارے میں آپ نے علی رضا سے پوچھ گچھ نہیں کی۔“

”ابھی کھل کر نہیں۔ لیکن جو فائل منیجر ریاض نے اسے دی تھی وہی خزانہ کی چابی ہے۔ ابھی نقصان اٹھانے والے تیز رفتاری سے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ ذرا ان کی رفتار سست پڑ جائے تب ہم دوسرا رخ دیکھیں گے۔ علی رضا اور اس کے بیوی بچے سخت خطرے میں ہیں کیونکہ خانیہ ان کی شدید دشمن بن چکی ہے۔“

”وہ محفوظ ہے نا؟“

”ہاں۔ ان شاء اللہ خانیہ اس تک نہیں پہنچ سکے گی۔ ویسے دلبر جانی کی ہمت بھی ٹوٹ چکی ہے۔ وہ بھی ہمارے لئے کارآمد ثابت ہوگا۔“

”سر میرے دل میں ایک خیال ہے۔“ زمان شاہ نے کہا۔

”کیا؟“

”وہ لوگ جانتے ہیں کہ دلبر جانی ہمارے پاس ہے اور وہ اس کی بازیابی کے لئے بھرپور کوشش کریں گے۔ دلبر جانی کو ہم نے لاک اپ سے ہٹادیا ہے لیکن ان کی توجہ ادھر ہی رہے گی۔ ممکن ہے وہ تہہ خانے کا پتا لگالیں۔“

”کیا کہنا چاہتے ہو؟“ شاہ میر نے پوچھا۔

”کیوں نہ اس کے ان کاؤنٹر کا ڈرامہ کرلیا جائے۔“

”نہیں زمان شاہ۔ مقابلہ بڑے دماغوں سے ہے۔ وہ اس جھانسے میں نہیں آئیں گے۔ یہ کھیل عام لوگوں کے لئے تو کارآمد ہوسکتا ہے، ان کے لئے نہیں۔ ایک کارآمد شخص کے لئے پولیس کبھی ان کاؤنٹر کا رسک نہیں لے سکتی۔ وہ اندازہ لگاسکتے ہیں اور پھر وہ اس کی لاش کے حصول کے لئے بھی زور لگادیں گے۔“

”ہاں۔ یہ پوائنٹ ہے۔“ زمان شاہ نے کہا۔

”بات چھوٹی سی تھی لیکن بہت بڑی ہوگئی ہے۔ ایک فرم کے ملازم کا اغوا۔ وہ برآمد بھی ہوگیا لیکن کھیل کچھ اور نکلا۔ وہ فائل ہمارے لئے بڑی اہمیت کی حامل ہے، لیکن انہیں اسی دھوکے میں رہنے دو کہ ہمیں ابھی فائل کے بارے میں معلوم نہیں ہے اور علی رضا ہمارے ہاتھ نہیں لگا۔ ریاض نے بھی اپنی پوزیشن صاف رکھی ہے۔ اگر ہم فائل کے سلسلے میں بھاگ دوڑ شروع کردیں تو وہ علی رضا کے بارے میں مشکوک ہوجائیں گے۔“

زمان شاہ کچھ لمحے سوچتا رہا۔ پھر تحسین آمیز نظروں سے شاہ میر کو دیکھ کر مسکرانے لگا۔

o……o……o

خانیہ سکندر اپنی شاندار رہائش گاہ کے ایک عالی شان کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر شدید غصے کے آثار تھے۔ دیر سے وہ اسی طرح بیٹھی ہوئی تھی۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لی اور قیمتی سیل اٹھا کر کسی کے نمبر ملائے اور انتظار کرنے لگی۔ کچھ لمحوں کے بعد دوسری طرف سے رابطہ ہوا تو اس نے کہا۔ ”میں خانیہ سکندر بول رہی ہوں۔ تم کون ہو۔ اچھا عادل جان، بڑے صاحب کو میرا سلام دو……اوہ میٹنگ میں ہیں۔ کچھ معلوم ہے کب تک واپسی ہوگی۔ ٹھیک ہے عادل جان، وہ جب بھی آئیں تم انہیں میرا میسج دینا۔ میں بات کرنا چاہتی ہوں۔ اوکے۔ یاد رکھنا۔“ یہ کہہ کر اس نے سیل آف کیا اور اسے ایک طرف پھینک دیا۔

اسی وقت ایک خوبصورت لڑکی اندر داخل ہوئی اور مسکراتی ہوئی خانیہ کے پاس پہنچ گئی اور بولی۔ ”ہیلو مما۔ کیا بات ہے۔ کچھ موڈ آف لگ رہا ہے۔“

”بس۔ تم لوگوں کی فکر کے سوا میری زندگی میں کیا رکھا ہے۔“

”مما۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ ہمارے لئے آپ اتنی کیوں فکر مند ہیں۔ سب کچھ تو ہے ہمارے پاس۔“

”اس کو برقرار رکھنے کے لئے بھی تو سوچنا پڑتا ہے۔“

”میں آپ سے کہتی ہوں کہ کسی دوسرے ملک چلتے ہیں۔ فارن کنٹریز میں بڑا حسن بکھرا پڑا ہے۔ وہاں زندگی بڑی خوبصورت ہے۔ یہاں کیا رکھا ہے۔“

”تم کہہ سکتی ہو۔ کچھ دن کے لئے کہیں جاکر رہنا بہت اچھا لگتا ہے۔ کہیں مستقل رہوگی تو دل اُکتا جائے گا۔ اپنا ماحول ہر طرح اچھا ہوتا ہے۔ ہمیں یہاں جو مقام حاصل ہے وہ کہیں اور نہیں مل سکتا۔“

”نہیں مما۔ دولت ہونی چاہیے۔ دولت کی عزت ہر جگہ ہوتی ہے۔“

”دولت عیش وعشرت کی زندگی بے شک دے دیتی ہے لیکن وہ عزت کہیں نہیں مل سکتی جو یہاں ہمیں حاصل ہے۔“

”آپ بہت بور ہیں مما۔ اچھا میں آپ کو یہ بتانے آئی تھی کہ میں آج رات ڈنر پر جارہی ہوں۔ ڈنر کے بعد وہاں ڈانس پارٹی ہے۔ میں رات کو وہیں رکوں گی۔ آپ میرے لئے پریشان نہ ہونا۔“

”اوکے جان۔“ خانیہ نے کہا۔

لڑکی مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔ ابھی وہ دروازے سے باہر نکلی تھی کہ سیل پر بیل ہوئی اور خانیہ اس طرف متوجہ ہوگئی۔ سیل آن کر کے اس نے اسپیکر آن کرلیا۔

”غور شاہ بول رہا ہوں عالیہ۔“ سیل سے آواز آئی۔

”تم سب کسی گٹر میں ڈوب کر مرجاؤ۔“ خانیہ نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

”میں سمجھا نہیں عالیہ خانیہ۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔

”کیا سمجھاؤں تمہیں……بکو۔ کیوں فون کیا ہے۔“

”خانیہ۔ میں نے ابھی ایک اخبار میں ولی داد خان کے بارے میں خبر دیکھی ہے۔ اسے کسی انسپکٹر کو رشوت دینے کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا ہے۔“

”ہاں۔ مجھے پتا چل گیا ہے۔“

”لیکن عالیہ……“

”یہ تم لوگوں کی اعلیٰ کارکردگی ہے۔ مگر ایک بات کان کھول کر سن لو۔ مجھ پر کوئی آنچ آئی تو میں چن چن کر تم سب کو ختم کردوں گی، کسی کو جیتا نہیں چھوڑوں گی۔“

دوسری طرف کچھ لمحے خاموشی طاری رہی، پھر آواز آئی۔ ”عالیہ میں قدم بوسی کے لئے حاضری چاہتا ہوں۔“

”خبردار۔ میری کوٹھی کے آس پاس بھی نہ پھٹکنا۔ ہم اس وقت کچھ نادیدہ دشمنوں کے جال میں گھر گئے ہیں۔“

”آپ مجھے کچھ بتایئے۔ غور شاہ آپ کے لئے خون کی ندیاں بہادے گا۔“

”بکواس بند کرو تم سب نکمے ہوچکے ہو۔ کسی کام کے نہیں رہے۔ سارا کام اس دلبر نے خراب کیا ہے۔ میں نے سڑک سے اٹھا کر عزت دی تو اس نے اپنے آپ کو نہ جانے کیا سمجھ لیا۔ کلبوں میں جانا شروع کردیا۔ دوکوڑی کا بندہ اپنے آپ کو بہت بڑا بدمعاش سمجھنے لگا۔ ایک چھوٹا سا کام اسے دیا تھا۔ نظروں میں آگیا اور پھر پاگل کتے کی طرح اسے گھسیٹ کر تھانے میں ڈال دیا گیا۔ تھانہ انچارج ایک نوجوان آدمی ہے۔ سر پھرا ہے، کسی طرح قابو میں نہیں آرہا۔ ولی داد کو بھیجا تھا اس کے پاس۔ لیکن اس بے غیرت نے نہ جانے کیسے یہ کھیل کھیلا۔ اینٹی کرپشن والوں سے نوٹ مارک کرائے تھے جنہیں اس انسپکٹر کی جیب سے برآمد ہونا تھا مگر سارا معاملہ الٹا ہوگیا اور ولی داد خود مجرم بن گیا۔ دل چاہتا ہے اپنے ہاتھ سے گولی ماردوں سب کو۔ اور ایسا ہوگا۔ بہت کچھ دیا ہے میں نے تم سب کو۔ زمین سے اٹھا کر آسمان تک پہنچا دیا ہے لیکن تم بہک گئے۔ خود کو سب کچھ سمجھنے لگے اور تم سب جانتے ہو، میں جو کچھ بناتی ہوں، اگر میری مرضی کے مطابق نہ بنے تو اسے اپنے ہاتھوں سے مٹادیتی ہوں اور یہ ہونے والا ہے۔ جو میری فہرست سے نکل جاتا ہے، اسے دنیا چھوڑنی پڑتی ہے۔“

”ایک عرض کروں عالیہ خانیہ۔ اگر اسے میری بدنیتی نہ سمجھا جائے۔“ غور خان نے کہا۔

”بکو۔ کیا بکنا چاہتے ہو۔“

”میری ان سے پُرخاش نہیں ہیں۔ لیکن ان کی وجہ سے مجھے بھی آپ کے منہ سے یہ سب کچھ سننا پڑ رہا ہے جبکہ آپ غور خان کو اچھی طرح جانتی ہیں۔“

”آگے بکو۔“ خانیہ نے کہا۔

”ولی داد۔ دلبر جانی کو جو کرنا تھا کرچکے، اب وہ لنگڑے گھوڑے ہیں، کسی کام کے نہیں۔ پہلے آپ ان کی چھٹی کردیں۔“

”میں بھی یہی چاہتی ہوں۔ اب مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر یہ کام کون کرے گا۔“

”میں کروں گا۔ آپ حکم دیں۔“

”کیسے کروگے؟“

”دلبر جانی تھانے میں ہے۔ تھانہ اُڑادوں گا۔ اس کے بعد ولی داد کا بھی کام میں تمام کردوں گا۔ بس آپ کے حکم کی دیر ہے۔“

”میں پریشان ہوں غور خان۔ ان لوگوں نے زبان کھول دی تو میں مشکل میں پڑجاؤں گی۔ میں بھی کسی کو جوابدہ ہوں۔“

”تو پھر کیا حکم ہے۔“

”جو کچھ کہہ رہے ہو، بے وقوفی کی باتیں ہیں۔ دلبر جانی کو جس انسپکٹر نے اٹھایا ہے، وہ بہت خطرناک چیز معلوم ہوتا ہے۔ میں تمہیں اس بارے میں پوری تفصیل بتاؤں گی، پھر کوئی بے داغ منصوبہ بنانا ہوگا۔ اس دوکوڑی کے آدمی علی رضا کے پاس ایک فائل غلطی سے پہنچ گئی ہے۔ وہ فائل غائب ہے۔ اس کے واپس آنے سے پہلے کوئی بڑی کارروائی خطرناک ہوگی۔ میں صرف اس کی وجہ سے خاموش ہوں۔“

”ٹھیک ہے عالیہ۔ خادم آپ کے حکم کا منتظر رہے گا۔“

فون بند کرنے کے بعد خانیہ سکندر دیر تک سوچتی رہی، پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر ایک الماری کے پاس پہنچی۔ الماری سے اس نے ایک اور سیل نکالا جو کسی قدر مختلف بناوٹ کا حامل تھا۔ اس پر کچھ کارروائی کے بعد وہ انتظار کرنے لگی، پھر ایک مردانہ آواز ابھری۔ ”ہاں۔ بولو۔“

”خاک بولوں۔ آپ تو ایسے بھول جاتے ہیں جیسے کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔“

”ارے نہیں۔ تمہیں بھول گئے تو زندہ کیسے رہیں گے۔“

”بدل گئی ہوں آپ کے شہر سے۔ بوریا بستر سمیٹنے کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔“

”ارے نہیں۔ ایسا بھی کیا۔ آخر بات کیا ہے؟“

”دودوکوڑی کے لوگ منہ کو آنے لگے ہیں۔“

”ارے کون مردود ہیں جو ہماری ملکیت تک پہنچنے کی جرأت کررہے ہیں۔“ دوسری طرف سے پُرمزاح انداز میں کہا گیا۔ ”بتاؤ کیا بات ہے۔“

”فون پر بتانے کی نہیں۔“

”تو رات کو کھانے پر آجاؤ۔ ہم انتظار کریں گے۔“

”آرہی ہوں۔“ خانیہ نے کہا۔

o……o……o

ولی داد کو چکر آرہا تھا۔ اس نے بڑی مہارت سے نوٹوں کی گڈی شاہ میر کے لباس میں ڈالی تھی لیکن وہ واپس اس کی جیب میں کیسے پہنچ گئی۔ یہ بات کسی طور اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ یہ تو شعبدہ گری تھی۔

اینٹی کرپشن والے اسے لے کر ہیڈ کوارٹر آگئے۔ یہاں افسر اعلیٰ نے اس سے پوچھ گچھ کی۔ ”تم نے ایک نیک نام افسر پر رشوت لینے کا الزام لگایا ہے۔ تم جانتے ہو اس کے نتیجے میں تمہارے ساتھ کیا ہوسکتا ہے؟“

ولی داد جانتا تھا کہ وہ پھنس گیا ہے۔ اگر کسی مشکل میں خانیہ کی دھونس دی جائے تو بات بے حد خطرناک ہوجائے گی۔ یہ سوچا جائے گا کہ خانیہ اتنی بڑی رقم کیوں خرچ کررہی تھی۔ آخر خانیہ کا منصوبہ کیا تھا۔ خانیہ تو اس کی جان لے لے گی۔ چنانچہ اس نے اپنے رویے کے بارے میں فیصلہ کرلیا۔

”سر! آپ میرے ساتھ جو سلوک چاہے کریں، آپ خود سوچیں میں پاگل تو نہیں ہوں کہ جان بوجھ کر سب کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کرتا۔ میں نے وہ گڈی آفیسر کو دی تھی۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نہیں جانتا کہ وہ واپس میری جیب میں کیسے پہنچ گئی۔“

”اتنی بڑی رقم تم اپنے ایک دوست کی بھلائی کے لئے خرچ کررہے تھے۔“

”ہماری بچپن کی دوستی ہے اس سے۔ اس پر ایک بندے کے اغوا کا الزام لگا کر اسے پکڑا گیا ہے۔ ہم جانتے ہیں سر کہ اس اغواء سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ سیدھا سادا بندہ ہے۔ ہم نے شاہ میر صاحب کی بڑی خوشامد کی کہ اس بندے کو چھوڑ دیں۔ انہوں نے ہم سے پیسے مانگ لئے۔ بس۔ ہم نے یہ خطرہ مول لے لیا۔ مگر ہم بڑی سے بڑی قسم کھانے کے لئے تیار ہیں کہ ہم نہیں جانتے گڈی واپس ہماری جیب میں کیسے آگئی۔“

افسر نے غور کیا تو اسے بھی عجیب سا احساس ہوا۔ ولی داد نے بڑے اعتماد سے کہا تھا کہ وہ رقم انسپکٹر کو دے چکا ہے۔ ایسا اس نے کیوں کہا۔

”تمہیں اندازہ ہے کہ اگر میں تمہیں وہاں تھانے میں چھوڑ دیتا تو وہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کرتے؟“

”آپ نے ہم پر احسان کیا ہے سر۔ آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ آپ ہمیں چھوڑ دیں سر۔“

”تمہیں ایک معافی نامہ لکھنا ہوگا۔ میں شاہ میر کو منالوں گا ورنہ وہ بہت سخت افسر ہے۔ تمہاری کھال اتار کر رکھ دیتا۔ اپنے دوست کی رہائی کا معاملہ اس کی تقدیر پر چھوڑ دو۔“

”سر معافی نامہ۔ جبکہ سر، میں نے……“

ولی داد نے کہنا چاہا لیکن افسر نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔ ”جو میں نے کہا ہے، وہ کرنا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ پھر تمہارا فیصلہ شاہ میر کی مرضی کے مطابق ہوگا۔“

”ٹھیک ہے سر۔“ ولی داد نے گردن جھکادی اور افسر نے اپنے ماتحت کو حکم دیا کہ وہ اس سے معافی نامہ لکھوا کر اسے رہا کردے۔

ولی داد سخت پریشان تھا۔ اسے علم تھا کہ خانیہ ان دنوں سخت الجھی ہوئی ہے۔ دلبر جانی پولیس کے قبضے میں تھا اور وہ اسے نہیں چھڑا سکی تھی۔ ضرغام کا بھی کوئی پتا نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے اور کیا کررہا ہے۔ اب وہ بھی کسی کیس میں ملوث ہوجائے تو خانیہ کی پوری ٹیم ہی ناکام ہوجائے گی اور وہ جانتا تھا کہ شیرنی زخمی ہو کر کتنی خطرناک ہوجاتی ہے۔ یہ جو کچھ ہوا تھا اس کی سمجھ سے باہر تھا لیکن اگر وہ بھی لاک اپ ہوگیا تو کام بگڑ جائے گا۔ پہلے یہاں سے چھٹکارا مل جائے، بعد میں خانیہ کو دیکھے گا۔ اس نے دل میں ایک کہانی گھڑ لی۔ محرر نے بیان میں کیا لکھا، اس نے زیادہ غور نہیں کیا اور معافی نامے پر دستخط کردیئے۔ اس کے نوٹوں کی گڈی اسے واپس دے کر رہا کردیا گیا۔

پولیس ہیڈ کوارٹر کی عمارت سے باہر نکل کر وہ ہونقوں کی طرح اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ بڑی عجیب کیفیت ہورہی تھی۔ اسے اس بات پر بھی حیرت تھی کہ اینٹی کرپشن کا افسر اس پر اتنا مہربان کیوں ہوگیا کہ اس نے اسے دروغ گوئی کے الزام میں گرفتار کر کے اتنی آسانی سے چھوڑ دیا۔ اب اسے ہر حالت میں خانیہ کو تفصیل بتانی تھی۔ اس کا دل ڈر رہا تھا کہ خانیہ اس کی ناکامی کی خبر سن کر آگ بگولہ ہوجائے گی، لیکن فرار بھی نہیں ہوسکتا تھا۔

کافی دیر تک اِدھر اُدھر چکرا کر ایک ٹیکسی روکی اور اس میں بیٹھ کر خانیہ کی کوٹھی چل پڑا۔ خانیہ کے پاس اس وقت اور کوئی موجود نہیں تھا۔ اس نے اسے بلوالیا۔ وہ ایک صوفے پر نیم دراز تھی۔ آنکھیں معمول کے مطابق بند تھیں۔ اس نے اسی طرح آنکھیں بند کئے کئے کہا۔ ”رہا ہوگئے تم؟“

”جی عالیہ۔“

”کیسے؟“

”عالیہ کوئی بڑا کیس نہیں تھا۔ سب کچھ سراسر جھوٹ تھا۔ پولیس نے پولیس کی مدد کی تھی۔“

”مطلب؟“

”رقم انسپکٹر کے پاس سے برآمد ہوگئی، لیکن اینٹی کرپشن کے افسر نے اسے جھوٹ قرار دے کر مجھے پکڑ لیا اور پھر اخبار والے کو بلا کر خبر بنوادی جو جھوٹی تھی۔“

”پھر کیا ہوا؟“

”بس مجھے اینٹی کرپشن والے لے گئے۔ بند رکھا پھر ایک معافی نامہ لکھوا کر مجھ پر احسان کرتے ہوئے چھوڑ دیا۔“

”کیا؟“ خانیہ نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

”جی۔ معافی نامہ۔“

”کیسا معافی نامہ؟“

”یہی کہ میں نے اسے رشوت دینے کی کوشش کی تھی جسے افسر نے ٹھکرادیا۔“

”تم نے یہ لکھ دیا؟“

”کنپٹی پر پستول رکھ دیا تھا انہوں نے عالیہ۔“

”کیا تحریر تھی؟“

”تت۔ تحریر۔ میں نے ٹھیک سے نہیں پڑھی۔“

”ایں؟“ خانیہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ”تم سے معافی نامہ لکھوایا گیا اور تم نے پڑھا نہیں۔ کیا تمہاری دماغی حالت ٹھیک ہے؟“

”معافی نامہ محرر نے لکھا تھا۔“

”ٹھیک، اور تم نے پڑھے بغیر اس پر دستخط کردیئے۔“

”میں نے بتایا نا کہ انہوں نے پستول کنپٹی پر رکھ کر دستخط کرائے تھے۔“

”اچھا، پھر کیا ہوا؟“

”بس عالیہ انہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔“

”اور وہ پانچ لاکھ روپے۔“

”وہ میرے پاس ہیں۔“

”یعنی وہ بھی تمہیں واپس کردیئے۔ بڑے فرشتہ صفت لوگ ہیں، کمال ہے۔ ایسے لوگ بھی اس دنیا میں ہیں۔ تم نے ایک پولیس افسر کے خلاف کام کیا اور دوسرے پولیس افسر نے تمہیں اتنی آسانی سے چھوڑ دیا۔ خیر۔ پھر تم رہا ہوگئے۔“

”جی عالیہ۔“ ولی داد کے اوسان خطا ہونے لگے تھے۔

”اور تم سیدھے میرے پاس آگئے۔“

”جی عالیہ۔“

”تاکہ تمہارا تعاقب کرنے والوں کو کوئی پریشانی نہ ہو اور انہیں آسانی سے پتا چل جائے کہ اس سازش کی پشت پر میں ہوں۔“

ولی داد کے پورے بدن میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ بے وقوفی کر گیا تھا، جلدی سے بولا۔ ”مجھے اس کا خیال تھا کہ کوئی جال نہ بچھایا گیا ہو، چنانچہ پہلے میں شہر کے چکر لگاتا رہا، پھر جب یہ یقین ہوگیا کہ کوئی پیچھا نہیں کررہا تب ادھر کا رخ کیا۔“

خانیہ سوچ میں ڈوب گئی۔ اب اس کے چہرے کے تاثرات نرم ہوتے جارہے تھے۔ پھر اس نے گردن اٹھا کر کہا۔ ”بڑی مشکل سے میں نے یہ مقام حاصل کیا ہے ولی داد، جن لوگوں کو میں جواب دہ ہوں وہ میرے دوست نہیں ہیں بلکہ بدترین دشمن ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کام میں دوستی کا تصور بھی دل میں نہ لاؤ، ورنہ مارے جاؤ گے۔ مجھ سے نہیں، میرے کارکنوں سے غلطی ہوئی ہے۔ ایک بے حد اہم فائل جس میں ہمارے کچھ نقشے اور رپورٹس تھیں، وہ فائل ایک دوسری فائل کے بجائے فرم کے اسسٹنٹ منیجر علی رضا کے پاس پہنچ گئی۔ جب غلطی کا احساس ہوا تو فائل علی رضا سے واپس لینے کی کوشش کی لیکن اس احمق پر حب الوطنی کا بھوت سوار ہوگیا۔ اس نے فائل چھپادی اور اس سے لاعلمی ظاہر کی، بہت کوشش کی جب وہ نہ مانا تو میں نے دلبر جانی کی ڈیوٹی لگائی کہ اسے اٹھالے اور اس سے فائل حاصل کرلے۔ دلبر جانی نے اسے اٹھالیا اس پر تشدد کیا گیا لیکن اس نے زبان نہیں کھولی۔ پھر نہ جانے کس طرح دلبر جانی روشنی میں آگیا اور اسے بڑی بے عزتی کے ساتھ ڈینی کلب سے اٹھالیا گیا۔ اس پر تشدد کیا گیا تو اس نے علی رضا کو اس ٹھکانے کی نشاندہی کردی اور پولیس نے چھاپہ مار کر اسے برآمد کرلیا۔ لیکن راستے میں پولیس پارٹی پر گیس بموں سے حملہ کر کے علی رضا کو دوبارہ اغواء کرلیا گیا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو مجھے کوئی پریشانی نہ ہوتی۔ وہ کون لوگ تھے جنہوں نے دوبارہ علی رضا کو اغوا کیا۔ کیا وہ دلبر جانی کے ساتھی تھے جو کوٹھی میں علی رضا کی نگرانی پر مامور تھے۔ اگر وہ نہیں تو پھر کون تھے۔ یہ بات اس وقت تک نہیں معلوم ہوسکتی جب تک دلبر ہمارے ہاتھ نہ آجائے لیکن وہ……“ خانیہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ ”میرے ساتھ آؤ۔“ اس نے ولی داد کی طرف دیکھے بغیر کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

ولی داد دل میں خوش ہوگیا کہ خانیہ کی ذہنی رو بدل گئی ہے۔ اور وہ پریشانی کی وجہ سے دوسری باتیں سوچنے لگی ہے۔ خانیہ ایک دوسرے کمرے میں داخل ہوگئی۔ یہ چھوٹا سا کمرہ تھا جہاں دو کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ ایک کرسی کمرے کی دیوار سے لگی ہوئی تھی۔ دوسری کمرے کے درمیان تھی۔ دیوار سے لگی کرسی کے آگے میز تھی۔ خانیہ میز کے پیچھے جابیٹھی اور پُرخیال سے انداز میں بولی۔ ”بیٹھ جاؤ۔“

ولی داد کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

تب خانیہ نے کہا۔ ”دلبر جانی کو میں نے کیا سے کیا بنادیا۔ لیکن تھوڑے سے تشدد پر اس نے زبان کھول دی اور میں خطرے میں پڑگئی۔“

”میں کسی کی برائی نہیں کررہا لیکن دلبر جانی ان دنوں بہت اونچا اُڑ رہا تھا۔ وہ خود کو بھول گیا تھا۔ اس سطح کا انسان نہیں تھا جس سطح کا خود کو ظاہر کرنے لگا تھا۔“

”ہاں یہی بات ہے۔ کیا نہیں دیا میں نے اپنے ساتھیوں کو۔ عزت، دولت عیش وآرام لیکن جو کیا جارہا ہے وہ میرے پائے ہلائے دے رہا ہے۔ اس کا مطلب میں نے تم لوگوں کا غلط انتخاب کیا ہے۔ دلبر جانی نے کچھ نہیں کیا۔ ضرغام عیاشی میں پڑگیا اور تم سے میں نے کہا تھا کہ اس انسپکٹر کو ٹریپ کرلو تم بھی کچھ نہیں کرسکے۔“

”آپ یقین کریں عالیہ، میں نے خوش اسلوبی سے اپنا کام کرلیا تھا۔ لیکن پولیس نے پولیس کا فیور کیا۔ اینٹی کرپشن کے بڑے افسر نے نوٹ واپس میری جیب میں……“

”شٹ اَپ۔“ اچانک خانیہ غصے سے چیخی۔ ”تمہارا کیا خیال ہے میں نے زندگی بھر جھک ماری ہے۔ اینٹی کرپشن والے ایسا کبھی نہیں کرسکتے۔ تم یہ ساری بکواس کر کے مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کررہے ہو۔ کیا تم مجھے بے وقوف بناسکتے ہو؟“

”خانیہ میں……“ ولی داد نے کچھ کہنا چاہا۔

”اب صرف حقیقت۔ صرف حقیقت بتاؤ ولی داد……“

”میں نے سچ بتایا ہے عالیہ۔“

”سچ بتایا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تم خانیہ کو جانتے ہی نہیں۔ میں سچ پرکھنے کی مشین ہوں ولی داد۔ اسی وجہ سے جی رہی ہوں۔ اور تم لوگ۔ بس ایک غلطی ہوئی ہے مجھ سے۔ تم سڑک چھاپ لوگوں کا انتخاب کیا میں نے جبکہ تم میں سے ایک بھی اس قابل نہیں تھا۔ کسی نے کچھ کر کے ہی نہیں دیا۔ وجہ یہ ہے کہ تم اس سطح کے لوگ ہی نہیں ہو۔“

”میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں۔“

”نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنی غلطیوں کا ازالہ خود ہی کرنا پڑتا ہے۔ اور میں نے یہ کام شروع کردیا ہے۔“ خانیہ نے میز کی دراز کھول کر کچھ نکالا جسے دیکھ کر ولی داد خوف سے اچھل پڑا۔ یہ ایک خوفناک پستول تھا۔

”یہ۔ یہ خانیہ۔ آپ۔ آپ مجھے……“

”نہیں، یہ تمہارے لئے نہیں ہے۔ ضرغام کو میں نے گولی مار کر ہلاک کردیا تھا لیکن مجھے احساس ہوا کہ میں، بہت چھوٹی ہوتی جارہی ہوں۔ تم جیسے تھکے لوگ اس قابل بھی نہیں کہ میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے موت دوں۔ تم دوٹکے کے لوگ میرے لئے مشکل بن گئے ہو۔ تم سب سے چھٹکارا پاکر میں ایسے لوگوں کا انتخاب کروں گی جو اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اعلیٰ تربیت یافتہ ہوں۔“

”آپ مجھے آخری موقع دیجئے عالیہ۔ آپ دیکھیں گی کہ……“

”یہ کام نہیں کروں گی۔ مجبوری ہے۔“ خانیہ نے کہا اور وہیں بیٹھے بیٹھے کچھ کیا کہ چھت میں عین اس جگہ جہاں کرسی پر ولی داد بیٹھا ہوا تھا، ایک خانہ کھلا اور کوئی دوگز لمبا خوفناک کوبرا ولی کے اوپر گرا۔ وہ بری طرح پھرا ہوا تھا۔ اس نے گرتے ہی ولی داد کی گردن پر کاٹا، پھر اس کے رخسار پر دانت گاڑ دیئے۔

ولی داد کے فرشتوں کو بھی ایسے کسی عمل کا اندازہ نہیں تھا۔ ایک لمحے تک تو وہ کچھ بھی نہیں سکا۔ اس کی نظریں خانیہ کے ہاتھ میں پکڑے پستول پر تھیں۔ بعد میں اس کو سانپ کا پتا چلا، تو اس نے پوری قوت سے اسے کھینچ کر پھینکا۔ اور سانپ قالین پر گر کر کنڈلی مار کر چوکس کھڑا ہوگیا۔ ولی داد کی آنکھیں دہشت سے پھٹی ہوئی تھیں اور اس کے سارے بدن میں آگ سی لگتی جارہی تھی۔

”عالیہ۔ خانیہ……یہ کیا۔ یہ جلدی کردی۔ آپ نے۔ آپ۔ خانیہ۔ تو۔ ظالم، سنگدل، کتیا کی بچی۔ کیا نہیں کیا ہم نے تیرے لئے۔ ذرا سی غلطی، ہائے۔ آہ۔ اُف۔ تیرا بیڑہ غرق، ذلیل عورت۔ اوہ۔ آہ۔ آق……آق۔“ اس کے بعد ولی داد کی آواز بند ہوگئی۔ سانپ کے زہر نے کام دکھانا شروع کردیا تھا۔

خانیہ سکندر نے پُرسکون نظروں سے ولی داد کو دیکھا جو دم توڑ رہا تھا۔ پھر پھن اٹھائے خوفناک سانپ کو۔ اس کے بعد اس نے بڑے اطمینان سے دراز سے پستول کا سائلنسر نکالا، اسے پستول پر فٹ کیا اور سانپ کے پھن کا نشانہ لے کر فائر کردیا۔ سانپ کے پھن کی دھجیاں اُڑ گئے تھے اور وہ قالین پر تڑپنے لگا تھا۔ قریب ہی ولی داد بھی ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔

خانیہ کے چہرے پر بھیانک سفاکی تھی۔ کچھ دیر کے بعد ولی داد اور سانپ دونوں ساکت ہوگئے۔

”تم سے بہتر تو یہ سانپ تھا ولی داد جس نے اپنا فرض نبھایا اور مجھے راستہ دکھایا۔ بہتر طریقہ یہ ہے کہ کسی کو اتنی دیر نہ پالو کہ وہ مست ہو کر تمہارے لئے خطرہ بن جائے۔ کام کے لوگوں سے کام نکالو اور اس کے بعد انہیں ان کی آخری منزل دکھادو۔“

o……o……o

شام کے سات بجے تھے۔ فضا میں اندھیرے اُمڈ آئے تھے۔ شاہ میر قید خانے میں داخل ہوگیا۔ اس وقت وہ ایک خوبصورت سوٹ پہنے ہوئے بے حد اسمارٹ لگ رہا تھا۔ دلبر جانی نے اسے دیکھا اور ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ شاہ میر نے اسے غور سے دیکھا، پھر بولا۔ ”کیسے ہو دلبر۔ کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔“

”نہیں۔“

”تیار ہوجاؤ۔ تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔“

”کک کہاں؟“

”کام ہے تم سے۔“

”انسپکٹر صاحب۔ کچھ کہنا چاہتا ہوں۔“ وہ لرزتی آواز میں بولا۔ ”ہاں کہو۔“

”انسپکٹر صاحب۔ میں……میں مرنا نہیں چاہتا۔ میں نے آپ سے بہت بدتمیزی کی ہے جس پر شرمندہ ہوں۔ ہوسکے تو مجھے معاف کردیں۔ مجھے بچالیں۔ میں مرنا……“ اس کی آواز سسکی بن گئی۔

”آؤ۔“ شاہ میر نے سرد لہجے میں کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر تہہ خانے سے باہر لے آیا۔ کچھ دیر کے بعد وہ اسے ایک لینڈ کروزر میں لے کر چل پڑا۔

دلبر جانی اب ایک سہمے ہوئے چوہے جیسا لگ رہا تھا۔ شاہ میر اسے پتا نہیں کہاں لے جارہا تھا۔ کافی دیر کے بعد لینڈ کروزر سڑک چھوڑ کر ایک کچے راستے پر اتر گئی۔ پھر وہ ایک فارم ہاؤس کے گیٹ سے اندر داخل ہوگئی۔ ہارن دینے پر ایک چوکیدار نے گیٹ کھولا تھا۔

”آؤ۔“ شاہ میر نے کہا اور خود نیچے اتر گیا اور بے نیازی سے چلتا اندر داخل ہوگیا۔ فارم ہاؤس کی عمارت اندر سے بہت خوبصورت تھی۔ چوکیدار کے علاوہ وہاں کوئی اور نہیں تھا۔ شاہ میر نے خود ہی روشنیاں جلائی تھیں۔ جہاں وہ دلبر کو لے کر داخل ہوا تھا، وہ ایک خوبصورت ڈرائنگ روم تھا۔

”بیٹھ جاؤ۔“ شاہ میر نے کہا۔

”شکریہ سر۔ آپ کا رویہ بہت اچھا ہے لیکن میں پریشان ہوں۔ اپنی بدتمیزی کی معافی مانگ چکا ہوں۔ براہ کرم مجھے آگے کے بارے میں بتادیجئے۔ میرا کیا بنے گا۔“

”کیا چاہتے ہو؟“ شاہ میر نے کہا۔

”زندگی۔“ دلبر جانی نے کہا۔

”جاؤ۔ راستہ دیکھ چکے ہو۔ باہر گاڑی موجود ہے۔ یہ چابی ہے۔ گاڑی لے جاؤ جہاں دل چاہے چھوڑ دینا۔ مناسب سمجھو تو فون پر بتادینا کہ گاڑی فلاں جگہ کھڑی ہے۔ پولیس وہاں سے لے لے گی۔ یا اسے لے کر کہیں اور جانا چاہو تو لے جاؤ۔ لاکھوں روپے کی مالیت کی ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارا پیچھا نہیں کروں گا۔“

شاہ میر کے لہجے میں چٹانوں جیسی سختی تھی۔ دلبر جانی حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر بمشکل بولا۔ ”لیکن کیوں آفیسر؟“

”اس لئے کہ میں جانتا ہوں کہ اصل مجرم تم نہیں ہو۔ میں تم سے خانیہ کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں لیکن زبردستی نہیں۔ میری جنگ تم سے نہیں، خانیہ سے ہے۔ تم اگر میرے ساتھ تعاون نہیں کروگے تو میں خانیہ کے حکم سے نہیں، اپنی مرضی سے تمہیں چھوڑ دوں گا اور خانیہ کے خلاف جو معلوم کرنا چاہتا ہوں، اپنے طور پر کوشش کر کے معلوم کروں گا۔“

دلبر جانی کی آنکھوں میں تحسین کے جذبات ابھر آئے۔ ”بڑے آدمی ہو انسپکٹر۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔

”دوسری اور آخری بار کہہ رہا ہوں بھاگنا چاہتے ہو تو بھاگ جاؤ۔“ شاہ میر بولا۔

دلبر جانی پھیکے سے انداز میں مسکرادیا۔ ”نہیں انسپکٹر صاحب۔ اس وقت بھاگ گئے تو پھر ساری زندگی بھاگنا پڑے گا۔“

”بالکل ٹھیک کہا تم نے، جو زندگی خوف کے عالم میں گزاری جائے، وہ زندگی نہیں ہوتی۔“

”آپ ٹھیک کہتے ہیں۔“

”تو پھر وہ کام کرو جس کے نتیجے میں تمہیں آزاد زندگی مل جائے۔“

”کیا کرنا ہوگا بتائیں؟“

”مجھے خانیہ کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ۔“ شاہ میر نے کہا اور دلبر سوچ میں ڈوب گیا۔ دفعتاً باہر ایک آہٹ ہوئی اور دلبر خوف سے اچھل پڑا۔ اس نے سہمی ہوئی نظروں سے دروازے کی طرف دیکھا۔ اسی وقت دروازہ آہستہ سے بجا۔

”کیا بات ہے نذیر خان؟“ شاہ میر نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

”صاحب جی۔ چائے یا کافی؟“

”کافی۔“ شاہ میر نے کہا اور دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔

”آپ کا بندہ تھا۔“ دلبر نے پھیکی مسکراہٹ سے کہا۔

”ہاں یہ جگہ محفوظ ہے۔“

دلبر گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ پھر بولا۔ ”جرم کی زندگی اچھی نہیں ہوتی۔ اب احساس ہوا ہے۔ تھوڑے دن کے عیش، پھر سزا ہی سزا۔ زندگی بھر کی جیل یا پھر پھانسی کا پھندہ۔ خیر ہم آپ کو خانیہ کے بارے میں بتاتے ہیں۔“

شاہ میر خاموشی سے اسے دیکھنے لگا تو وہ بولا۔ ”خانیہ اصل میں کچھ بڑے اور خطرناک لوگوں کے درمیان ایک رابطہ ہے۔ ان سب کی بندوق ہے۔ اس کے ذریعے بڑے بڑے مسئلے حل ہوتے ہیں اور چونکہ وہ ان بڑے لوگوں کی پروردہ ہے، اس لئے اس کی گردن بہت تن گئی ہے۔ وہ کسی سے بھی اپنا کام نکلوا سکتی ہے۔ آپ اس پر ہاتھ ڈالوگے تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ وہ کسی سے کہہ گی اور آپ فیل ہوجاؤ گے۔ مجھے بہت حیرت ہے کہ اس نے میرے سلسلے میں اب تک آپ کو رعایت کیوں دی ہے۔ اس کی وجہ جو میری سمجھ میں آرہی ہے، وہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھنے لگی ہے۔ لیکن میرے ڈرنے کی اور وجہ ہے۔“

وہ خاموش ہوا تو شاہ میر نے پوچھا۔ ”کیا؟“

”اس کے مزاج میں بہت غصہ ہے۔ جب وہ شدید غصے میں ہوتی ہے تو نرم اور خوش مزاج ہوجاتی ہے۔ جب وہ آپ پر مہربان نظر آئے تو سمجھ لیں آپ کی زندگی خطرے میں ہے۔ میں ابھی تک پولیس کے چنگل سے نہیں نکل سکا۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کرلیا ہوگا کہ اب مجھے سوکھی گھاس سمجھ کر کاٹ دیا جائے۔ آپ یوں سمجھ لیں کہ میں آدھا مرچکا ہوں۔ بس دل چاہتا ہے کہ……کہ تھوڑے دن اور جی لوں۔ بس تھوڑے دن۔“ اس کی آواز رندھ گئی۔

چوکیدار کافی لے آیا اور تھوڑی دیر کے لئے سلسلۂ گفتگو منقطع ہوگیا۔ اس کے جانے کے بعد شاہ میر نے دلبر جانی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”تم زندہ رہوگے دلبر جانی۔ میں ایک چھوٹا سا آدمی ہوں لیکن میرا عزم بہت بڑا اور طاقتور ہے۔ وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی، یہ میرا وعدہ ہے۔ کیا تم مجھے ان لوگوں کے بارے میں بتاسکتے ہو جو اس کے پشت پناہ ہیں؟“

”اس کے مددگار آدھی دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بہت سے ملکوں میں اس کے سرپرست موجود ہیں لیکن مقامی طور پر جو لوگ اس کے سرپرست ہیں، ان میں سے کچھ کو میں جانتا ہوں۔“

”مجھے ان کے بارے میں بتاؤ۔“

”آپ لکھ لو صاحب۔“ دلبر جانی نے کہا۔ پھر اس نے جو جو نام بتائے انہیں سن کر شاہ میر کو چکر آگیا۔ وہ واقعی بڑے نامی گرامی اور بڑے صاحب اثر لوگ تھے۔ وہ گم سا ہوگیا۔

دلبر جانی اپنی رو میں بولے جارہا تھا۔ اس نے کہا۔ ”اب میں آپ کو ایسا نام بتاتا ہوں جو آپ کے لئے بڑے کام کا ثابت ہوسکتا ہے۔ اس کا نام رجبہ شیر بخش ہے۔“

”نام سنا ہوا لگتا ہے۔ کون ہے یہ؟“

”رجبہ اسٹیٹ۔ اس کی ملکیت ہے۔ بہت بڑا سماجی کارکن ہے مگر اسی سنڈیکیٹ کا رکن ہے۔ وہ ان لوگوں کا سچا ساتھی ہے لیکن خانیہ سے اس کی نہیں بنتی۔“

”وہ کیوں؟“

”خانیہ خود کو بہت بڑی سماجی کارکن سمجھتی ہے۔ اس نے کئی جگہ رجبہ شیر بخش کو نیچا دکھانے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ رجبہ اس کا مخالف ہوگیا اور اس نے کئی جگہ خانیہ کو نیچا دکھایا اور اس کے کئی کام بگاڑے۔“

شاہ میر کی آنکھوں میں ایک پُراسرار چمک لہرا گئی۔ وہ کرید کرید کر دلبر جانی سے رجبہ شیر بخش کے بارے میں پوچھنے لگا۔

”مزے کی بات ہے سر جی کہ دونوں ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ ہنستے بولتے ہیں۔ ایک دوسرے کی تقریبوں میں شریک ہوتے ہیں لیکن سب جانتے ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ سارے بڑے لوگ یہی کرتے ہیں۔“

کچھ دیر خاموش رہ کر شاہ میر نے اپنے سینے کے پاس کوٹ سے ایک لفافہ نکالا جس میں تصویریں تھیں۔ اس نے یہ تصویریں نکال کر دلبر جانی کے سامنے کردیں اور بولا۔ ”مجھے ان تصویروں کے بارے میں بتاؤ دلبر، اب جبکہ تم میرے ساتھی بن چکے ہو تو مجھے یقین ہے کہ تم مجھ سے کوئی بات نہیں چھپاؤ گے۔“

دلبر جانی تصویریں دیکھتا رہا۔ پھر گہری سانس لے کر بولا۔ ”تو وہ فائل آپ کے پاس پہنچ چکی ہے۔ ان تصویروں کے ساتھ کچھ اور کاغذات بھی تھے۔ ان تصویروں اور کاغذات کے لئے علی رضا کو اٹھانا پڑا تھا۔ وہ بالکل غیر متعلق آدمی تھا اور فائل غلطی سے اس کے پاس پہنچ گئی تھی اور جس بے چارے سے یہ غلطی ہوئی تھی، اس کی لاش بھی مچھلیاں کھاچکی ہوں گی۔“

”اوہ۔ وہ کون تھا؟“

”نہیں۔ میں اسے نہیں جانتا۔ اس کے بارے میں مجھے نہیں بتایا گیا۔ بس اتنا پتا ہے کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ یہ بات خانیہ نے ہی مجھے بتائی تھی۔“

”خانیہ قاتل بھی ہے؟“ شاہ میر نے آہستہ سے کہا۔

”جلاد ہے سر جی۔ کوئی ایک قتل کیا ہے اس نے۔ جس سے ناراض ہوتی ہے اسے موت کے غار میں دھکیل دیتی ہے۔ قتل کرنے کے یونیک طریقے تلاش کرنا اس کی ہابی ہے۔“

”گڈ۔ ہاں تصویروں کے بارے میں کیا کہتے ہو؟“

”ان جگہوں کے بارے میں جانتا ہوں، بڑی اہم جگہیں ہیں۔ یہ اور ان کے بارے میں جاننا خانیہ کی موت ہے کیونکہ ان کا کنٹرول اسی کے ہاتھ میں ہے اور ان کی حفاظت بھی۔“

یہ کہہ کر دلبر جانی نے ان کے بارے میں تفصیل بتانی شروع کردی۔

o……o……o

اجمل شاہ کو کہیں سے کچھ رقم ہاتھ لگی تھی۔ بہت خوش تھا۔ ایسا کبھی کبھی ہوتا تھا ورنہ عام طور سے قرض خواہوں کی ڈانٹ پھٹکار کے سائے میں گزارا ہوتا تھا۔ وہ اپنی کھٹارا موٹر سائیکل پر کہیں جارہا تھا کہ موٹر سائیکل سے عجیب سی آوازیں نکلیں اور پھر وہ پھٹ پھٹ کر کے بند ہوگئی۔ اجمل شاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”ہم نے آپ کی فریاد سن لی ہے فریادی۔ ہم خود آپ کو پٹرول پمپ کی سیر کرانے لے جارہے تھے لیکن اس طرح بند ہوجانا بغاوت ہے۔ یہ ہمیں پسند نہیں آیا۔ خیر، آیئے۔“ پٹرول پمپ زیادہ دور نہیں تھا۔ وہ اسے گھسیٹ کر لے جانے لگا۔

ابھی زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ ایک بڑی گاڑی قریب آکر رکی۔ اس میں سے تین آدمی نیچے اترے۔ انہوں نے اجمل شاہ کا راستہ روک لیا۔ اجمل شاہ نے چونک کر انہیں دیکھا، پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں پستول تھا جس کی نال اس کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔

”حکم جناب عالی؟“ اجمل شاہ نے خوش مزاجی سے کہا۔

”بائیک اسٹینڈ کرو۔“ پستول والے نے غرا کر کہا۔

”اجازت ہو تو سڑک کے کنارے لے جاؤں۔ یہاں چالان ہوجائے گا۔“ اجمل شاہ نے کہا۔ لیکن جواب میں اس نے بائیک کو لات مار کر گرادیا اور اجمل شاہ کو کالر سے پکڑ کر گاڑی کی طرف دھکادیا۔

”چلو گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔“

”اس غیر منکوحہ کے ساتھ یہ سلوک ناروا ہے۔ احتجاج بھی۔“ ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر گاڑی کا دروازہ کھولا اور اجمل شاہ کو اس میں ٹھونس دیا۔ اجمل شاہ ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگیا اور کار اسٹارٹ ہو کر چل پڑی۔

کار کوئی بیس منٹ تک سفر کرتی رہی، پھر ایک عمارت میں داخل ہوگئی۔ اسے اتار کر ایک کمرے میں لایا گیا اور ان میں سے ایک نے کہا۔ ”خاموشی سے یہاں آرام کرو۔ کوئی شور شرابا کرنے کی کوشش کی تو نقصان اٹھاؤ گے۔“

”جوار شاد عالی۔ آپ فکر نہ کریں۔ ہم ایسی میزبانی کے عادی ہیں۔“ اجمل شاہ نے کہا اور کمرے کا جائزہ لینے لگا۔

ان میں سے ایک بولا۔ ”فکر مت کرو، اس بار جو مہمان نوازی ہوگی اسے زندگی بھر یاد رکھوگے۔“ پھر وہ باہر نکل گئے۔ اجمل شاہ نے گردن ہلائی۔ اسے اپنی بائیک کی فکر نہیں تھی کیونکہ اس سے زیادہ ٹریفک پولیس والے اس کی بائیک کو پہچانتے تھے جو اکثر چالان کے باعث ہر علاقے کے تھانے میں رہ چکی تھی۔

o……o……o

اجمل شاہ کو اغوا کر کے لانے والوں میں سے ایک خانیہ کے سامنے پہنچ گیا اور بولا۔ ”عالیہ خانیہ، ہم اس اخبار والے کو لے آئے ہیں جس نے دلبر جانی والے کیس کی خبریں چھاپی تھیں۔“

”لے آئے ہو، کہاں ہے؟“

”سڑک سے اٹھایا ہے۔“

”کس نے کہا تھا؟“ خانیہ حیرت سے بولی۔

”غور شاہ صاحب نے حکم دیا تھا۔“

”او میرے خدا۔ کہاں ہے وہ؟“

”انیکسی میں بند کردیا ہے۔“

”اُف۔“ خانیہ نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ تھوڑی دیر خاموش رہی، پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ”آؤ میرے ساتھ۔“

کچھ دیر کے بعد وہ انیکسی میں اس کمرے میں داخل ہوگئی جہاں اجمل شاہ کو بند کیا گیا تھا۔ اجمل شاہ سکون سے بیٹھا ہوا تھا۔ خانیہ کو دیکھ کر اس نے کسی تاثر کا اظہار نہیں کیا۔ خانیہ نے آگے بڑھ کر کہا۔ ”نوجوان رپورٹر، میں کس طرح تم سے ندامت کا اظہار کروں۔ اصل میں کچھ لوگ اپنے مالکان کی چاپلوسی میں لگے رہتے ہیں۔ میں نے اپنے آدمیوں سے کہا تھا کہ میں اس رپورٹر سے ملنا چاہتی ہوں جس نے دلبر جانی اور ولی داد کی رپورٹیں شائع کی تھیں اور ان لوگوں نے یہ جہالت دکھائی کہ تمہیں اس طرح لے آئے۔ میں اخبار والوں کی بڑی عزت کرتی ہوں۔ جن لوگوں نے یہ کیا ہے ان کے لئے سزا تم ہی تجویز کروگے۔ آؤ میرے ساتھ پلیز۔ تم میرے معزز مہمان ہو۔“

”مجھ سے زیادہ زیادتی میری بائیک کے ساتھ ہوئی ہے۔ براہ کرم اس کی خبر لیجئے۔ میں شکرگزار رہوں گا۔ بیچ سڑک پر زخمی پڑی ہے۔ پتا نہیں اب کہاں ہوگی۔“

”وہ کون ہے؟“ خانیہ حیرت سے بولی۔

”میری موٹر سائیکل جس نے زندگی میں پہلی لات کھائی ہے۔ میں تو اسے اسٹارٹ بھی بڑے پیار سے کرتا ہوں۔“

”اوہ۔“ خانیہ مسکرائی۔ پھر بولی۔ ”ٹھیک ہے۔ میں اسے یہیں منگوالیتی ہوں۔ فکر مت کرو۔ آؤ میرے ساتھ آؤ۔“ وہ اجمل شاہ کو لے کر ایک بڑے کمرے میں پہنچ گئی۔ پھر اسے ایک صوفے پر بیٹھنے کی پیشکش کر کے خود دوسرے صوفے پر بیٹھ گئی اور بولی۔ ”مجھے جانتے ہو؟“

”نہ جان کر شرمندہ ہوں۔ آپ ایک میزبان خاتون ہیں۔“

”لوگ مجھے خانیہ سکندر کہتے ہیں۔“

”ایں۔“ اجمل شاہ نے شدید حیرانی کا مظاہرہ کیا۔ ”ارے۔ اوہ آپ۔ آپ……“

”ہاں۔ میں ہی ہوں جس کے خلاف تم لکھتے رہتے ہو۔ حالانکہ تمہیں مجھ سے ملنا چاہیے تھا۔“

”آپ کے؟ آپ کے خلاف تو میں نے کچھ نہیں لکھا۔“

”دلبر جانی میرا خاص آدمی ہے۔ اس سے متعلق تمام امور مجھ سے منسلک ہیں۔ ولی داد کا رشوت کیس بھی مجھ سے منسلک کیا جارہا ہے حالانکہ یہ اس کا انفرادی معاملہ ہے۔ ایک شخص کے اغوا کو ذریعہ بنا کر میرے دشمنوں نے مجھے پھانسنے کی کوشش کی ہے جبکہ اگر مجھ سے رجوع کیا جاتا تو میں ان کی کھال اتار کر ان سے پوچھتی کہ یہ سب کیا ہے، مگر میرے وہ دشمن کامیاب ہوگئے جو مجھے بدنام کرنا چاہتے ہیں اور تمہارے اخبار نے یہ خبریں شائع کر کے ان کی سازش مکمل کردی۔“

”اوہ۔ شرمندگی کے اظہار کے علاوہ اور کیا کرسکتا ہوں۔ میرا تھانوں سے رابطہ رہتا ہے۔ وہاں سے جو خبریں ملتی ہیں۔“ اجمل شاہ نے اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

”نہیں اجمل شاہ۔ یہ خبر تمہیں تھانے سے نہیں ملی۔“

”وہی بتانے جارہا تھا۔ ایک اجنبی شخص نے مجھے فون کر کے بتایا تھا کہ فلاں تھانے چلے جاؤ، ایک اہم خبر تمہاری منتظر ہے۔“

”ہوں۔“ خانیہ سوچتی رہی، پھر بولی۔ ”تمہیں یہ تفصیل اپنے اخبار میں دینا ہوگی۔ میرے لئے کام کرو، تمہارا مستقبل بنادوں گی۔ لوگ مجھے تقدیر گر کہتے ہیں۔“

اجمل شاہ نے گردن جھکادی تھی۔

o……o……o

خانیہ پتھر کی عورت تھی لیکن ان دنوں جب تنہا ہوتی تو اس کے چہرے سے پریشانی صاف جھلکتی تھی۔ زندگی بھر کسی الجھن سے متاثر نہیں ہوئی تھی لیکن آج کل نہ جانے کیوں دل گھبرایا رہتا تھا۔

اس وقت بھی وہ کوٹھی کے ڈرائنگ روم میں اداس بیٹھی ہوئی تھی کہ ایک ملازمہ نے آکر کہا۔ ”مہمان آگئے خانیہ جی۔“ اس کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ ڈرائنگ روم کے دروازے سے ایک خوبصورت دراز قامت عورت اندر داخل ہوئی اور دونوں ہاتھ پھیلا کر خانیہ سکندر کی طرف بڑھی۔ ”خانیہ میری جان!“

خانیہ نے کھڑے ہو کر اسے گلے لگالیا تھا۔ رسمی باتیں ہوئیں، پھر آنے والی نے شکایتی لہجے میں کہا۔ ”میرا خیال تھا تم ایئرپورٹ مجھے لینے آؤ گی۔“

”سوری سیسلا میں کچھ بیمار ہوں۔“

”مجھے لگ رہا ہے اور حیرت ہورہی ہے کہ شیرنی بھی بیمار ہوسکتی ہے۔“

”سب کچھ ہوسکتا ہے، تم ٹھیک ہو؟“

”دیکھ لو سامنے ہوں۔“ عورت نے کہا جسے سیسلا کہہ کر پکارا گیا تھا۔

”ہاں تم ٹھیک ہو میں نے کچھ غلطیاں کی ہیں جن کا نتیجہ بھگت رہی ہوں۔“

”غلطیاں؟“

”ہاں۔ اپنے کارکنوں کے غلط انتخاب کی غلطی۔ میں نے غلط لوگوں کو منتخب کیا۔ وہ صرف غنڈے تھے، قاتل تھے، اسمگلر تھے لیکن ذہین نہیں تھے جن کی وجہ سے میں مشکل میں پڑگئی ہوں۔“

”مشکل؟“ سیسلا نے کہا۔

”ہاں۔ سخت مشکل۔“

”مجھے حیرت ہوئی۔ تم تو مشکل کا لفظ بھی نہیں جانتی تھیں۔“

”بس تھوڑی سی گڑبڑ ہوگئی ہے۔“

”میری پیروی کرو۔ سب ٹھیک ہوجائے گا۔“

”کیا؟“

”گھاس جب اوپر سے پیلی ہوجائے تو اس کے پورا سوکھنے کا انتظار مت کرو۔ اسے کاٹ دو کیونکہ سرے سوکھ جائیں تو پتا چل جاتا ہے کہ جلد یا بدیر وہ نیچے تک سوکھ جائے گا۔ اس کی جگہ نئی گھاس لگوالو۔“ سیسلا نے کہا۔

خانیہ نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبالیا اور سوچ میں ڈوب گئی۔

(جاری ہے)

آخری قسط

ایم اے راحت

کچھ دیر کے بعد خانیہ نے گردن اٹھا کر گہری سانس لی۔ ''ٹھیک کہتی ہو۔ جس گھاس میں کانٹے اگ آئیں، اسے کاٹ دینا بہتر ہوتا ہے۔ ہمیں کسی اور کی فکر نہیں ہے۔ بس دلبر جانی کسی طرح ہاتھ لگ جائے اور یہ پتا چل جائے کہ اس نے پولیس آفیسر کو کیا کیا بتادیا ہے۔ ویسے مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے بات صرف اس پولیس آفیسر کی نہیں بلکہ پردے کے پیچھے کوئی اور بھی ہے۔''

''سب کچھ ہوسکتا ہے خانیہ، سب کچھ۔ مگر ایک بات میرے ذہن میں آئی ہے۔''

''کیا؟''

''کبھی کبھی شہتیروں کے چکر میں ہم تنکے کو فراموش کردیتے ہیں۔ میری مراد اس انسپکٹر سے ہے جو بظاہر کچھ نہیں لیکن وہ سب سے زیادہ کام کا ثابت ہوسکتا ہے۔''

خانیہ کسی سوچ میں ڈوب گئی، پھر بولی۔ ''یہاں ہم ایک غلطی کر بیٹھے ہیں۔ ہم نے سوچا کہ اسے مٹھی میں لینے کے لئے پہلے ہم اسے رشوت ستانی کے الزام میں پھنسادیں، پھر اس کی مدد کرکے اسے بحال کرادیں۔ اس طرح وہ ہمارے شکنجے میں کس جائے گا مگر وہ بے حد چالاک نکلا۔ اس نے الٹا ہمارے آدمی کو پھنسادیا اور مجبوراً ہمیں ولی داد کی چھٹی کرنی پڑی۔''

''کسی طرح اس کا ذہن صاف کردیں، میرے خیال میں اس سے بہتر اور کوئی نہیں رہے گا۔'' سیسلا نے کہا۔

''کوشش کرتی ہوں۔'' خانیہ نے کہا اور فون پر شاہ میر کے نمبر ملانے لگی۔

کچھ لمحوں کے بعد شاہ میر کی آواز سنائی دی۔ ''عالیہ خانیہ...... خادم بول رہا ہے۔''

''بڑی بات ہے، ضرورت سے زیادہ چالاک ہو، زندگی کی دعائیں دینے کے علاوہ اور کیا کرسکتے ہیں؟''

''محبت کا معترف ہوں۔''

''شکایت نہیں کروگے کوئی؟''

''کہہ کر اٹھا تھا کہ اب عقیدت مندوں میں ہوں، پھر اس سزا کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی؟''

''یہ امتحان تھا۔''

''کیا پورا اترا؟''

''ہاں۔ میں دلبر جانی کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔ اس وقت مشکل میں ہوں، بہت سے سانپ آستین میں چھپے ہیں، تمہیں مجھ سے بدظن کرنے میں ان چھپے سانپوں کا بڑا ہاتھ ہے، انہیں روشنی میں لانے کے لئے تمہاری مدد چاہتے ہیں۔''

''میرے لئے اعزاز ہے۔ حکم فرمائیے؟''

''ہمیں دلبر جانی کی ضرورت ہے، اس کی ضمانت کرادو۔''

''عالیہ کے حکم کی تعمیل کے لئے نوکری داؤ پر لگانے کے لئے تیار ہوں ورنہ بات بہت آگے جاچکی ہے۔''

''ہر فکر سے بے نیاز ہوجاؤ اور ڈی ایس پی، پھر ایس پی بننے کی تیاری کرلو۔ یہ مرد کی نہیں، عورت کی زبان ہے۔ تمہارا بال بیکا نہیں ہوگا۔ دلبر جانی کی ضمانت کرادو۔''

''بہتر...... آپ کسی ضامن کو بھیج دیجئے۔''

''ارشاد احمد نامی ایک شخص کاغذات لے کر آئے گا۔''

''ٹھیک ہے، تعمیل ہوگی۔'' شاہ میر نے کہا اور خانیہ فون بند کرکے حیرت سے سیسلا کو دیکھنے لگی۔ سیسلا آنکھیں بند کرکے مسکرادی تھی۔

☆......☆......☆

بے حد قیمتی لینڈ کروزر تھانے کے احاطے سے باہر آکر رکی اور اس میں سے ایک اعلیٰ شخصیت کا مالک شخص نیچے اتر کر اندر چل پڑا تھا۔ شاہ میر نے گردن خم کرکے اس کا استقبال کیا تھا۔

''میرا نام ارشاد احمد ہے، یہ میرا کارڈ ہے۔'' اس نے ایک کارڈ نکال کر شاہ میر کو دیا۔

''کاغذات لائے ہیں آپ؟''

''جی۔'' ارشاد احمد نے کچھ کاغذات نکال کر شاہ میر کے سامنے رکھ دیئے۔ جن کا جائزہ لے کر شاہ میر نے گھنٹی بجا کر زمان شاہ کو طلب کیا۔ اسے ضروری کارروائی پوری کرنے کی ہدایت کی، پھر شاہ میر نے دلبر جانی کو لانے کے لئے کہا اور زمان شاہ کچھ دیر کے بعد دلبر جانی کے ساتھ اندر داخل ہوگیا۔ دلبر جانی جو اس طرح بلائے جانے پر حیران تھا، ارشاد احمد کو دیکھ کر بری طرح چونکا، پھر اس کے چہرے پر خوف کے آثار ابھر آئے۔

''تمہاری ضمانت ہوچکی ہے دلبر، تم جاسکتے ہو۔'' شاہ میر نے کہا اور دلبر کا رنگ پیلا پڑ گیا۔

''لیکن انسپکٹر صاحب......''

''ارشاد صاحب تمہارے ضامن ہیں۔''

''کک، کیا بکواس کررہے ہیں آپ۔'' دلبر جانی یکدم چیخا۔

''آپ اسے لے جاسکتے ہیں ارشاد صاحب۔ یہ اپنا ذہنی توازن کھوتا جارہا ہے۔'' شاہ میر نے خشک لہجے میں کہا۔

''میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ مجھے ضمانت کی ضرورت نہیں ہے۔'' دلبر جانی بپھر گیا۔

''تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ چلو میرے ساتھ۔'' ارشاد احمد نے سخت لہجے میں کہا اور دلبر جانی، شاہ میر کو دیکھنے لگا۔

''سودا ہوگیا انسپکٹر صاحب۔ میں نے تم سے زندگی کی بھیک مانگی تھی، مل گئی تمہیں میری قیمت۔ ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ میں نے غلطی کی تھی، ٹھیک ہے۔ چلو ارشاد احمد، تم بھی اپنی وفاداری نبھاؤ، چلو۔'' دلبر جانی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

ارشاد احمد تنہا نہیں آیا تھا۔ جونہی دلبر جانی ارشاد احمد کے ساتھ باہر آیا، دو مسلح افراد اس کے دائیں بائیں آکھڑے ہوئے۔ انہوں نے پستول نکال کر تان لئے تھے۔

''آیئے دلبر صاحب! خانیہ کا اندازہ ٹھیک تھا کہ آپ خوشی سے باہر نہیں آئیں گے۔'' ارشاد نے کہا۔

''یہیں گولی ماروگے یا کسی ویرانے میں لے جاکر۔'' دلبر جانی نے تلخ لہجے میں کہا۔

''اوہ! آپ کو اپنی موت کا اتنا یقین کیوں ہے؟'' ارشاد احمد نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''یہ بات تم جانتے ہو اور میں بھی۔ اس کے کسی کام میں ذراسی کوتاہی ہوجائے تو وہ زندگی چھین لیتی ہے۔ تم سے میری اچھی خاصی دوستی رہی ہے ارشاد احمد۔ یاد ہے ایک بار تم جال میں پھنس گئے تھے، صرف دلبر جانی تھا جس نے جان پر کھیل کر تمہاری مدد کی تھی۔''

ارشاد احمد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دلبر جانی کو گاڑی میں بٹھایا گیا اور گاڑی اسٹارٹ ہوکر چل پڑی لیکن دلبر جانی کی زبان مسلسل چل رہی تھی۔ ''اچھی طرح اندازہ ہے مجھے۔ خانیہ جانور ہے، انسانیت سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے، اسے صرف مشینیں درکار ہیں جو اس کے لئے کام کرتی رہیں۔ کسی مشین کا کوئی پرزہ خراب ہوجائے تو وہ اسے اسکریپ کرادیتی ہے۔ ماردے گی اب وہ مجھے۔ ٹھیک ہے، ہم نے بھی تو بہت سوں کو مارا ہے۔ یہ تو ہونا ہی تھا، یہ تو ہونا ہی......''

اچانک ڈرائیور نے گاڑی کو زوردار بریک لگائے اور سب چونک پڑے۔ ''کیا ہوا؟'' ارشاد احمد نے کہا۔ لیکن گاڑی اچھلنے لگی۔ اس کے آگے کے دونوں ٹائر برسٹ ہوگئے تھے۔ رفتار زیادہ تیز نہیں تھی ورنہ شاید کوئی بڑا حادثہ ہوجاتا۔ اسی وقت سڑک کے نشیب سے چار نقاب پوش اوپر آگئے۔ ان کے ہاتھوں میں ہلکی اسٹین گنیں تھیں۔

ارشاد احمد کے ساتھیوں نے پستول سیدھے کئے تھے لیکن ارشاد احمد چیخ کر بولا۔ ''نہیں! گولی مت چلانا، وہ بھون کر رکھ دیں گے۔''

نقاب پوش قریب آگئے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ ''دلبر نیچے اتر آؤ۔''

دلبر چونک پڑا۔ پھر اس نے اپنے بائیں طرف بیٹھے ہوئے شخص کو دھکا دیا اور برق رفتاری سے نیچے کود گیا۔ ارشاد احمد ساکت بیٹھا تھا۔ اسی نقاب پوش نے اشارہ کیا اور سڑک کے نشیب سے ایک بڑی گاڑی اوپر آگئی۔ دلبر جانی کو اس گاڑی میں بٹھایا گیا اور گاڑی برق رفتاری سے آگے بڑھ گئی۔ لیکن ارشاد احمد نے اس گاڑی کی نمبر پلیٹ دیکھ لی تھی اور نمبر ذہن نشین کرلئے تھے۔

☆......☆......☆

صفورا نے ہوٹل میں داخل ہوکر ہال میں نگاہیں دوڑائیں۔ شاہ میر اسے نظر آگیا۔ وہ شاہ میر کی میز کی طرف بڑھ گئی۔

''بہت خوبصورت نظر آرہے ہیں سر۔'' وہ کرسی پر بیٹھ کر بولی۔

''ٹھیک، میرے جملے چھین لئے؟'' شاہ میر نے کہا۔

صفورا مسکرا کر بولی۔ ''یہ اچانک طلبی کیوں ہوئی ہے؟''

''بس کچھ فیصلے کرنے تھے۔'' شاہ میر نے کہا اور مینو صفورا کے سامنے کردیا۔

صفورا نے بے تکلفی سے کھانوں کا انتخاب کرکے ویٹر کو اشارہ کردیا اور ویٹر قریب آکر آرڈر نوٹ کرنے لگا۔ ویٹر کے جانے کے بعد صفورا نے کہا۔ ''جناب، کیا فیصلے کرنے ہیں؟''

''یہی کہ اب شادی کرلینی چاہئے۔''

''ابھی نہیں۔'' صفورا نے بڑی معصومیت سے کہا۔

''پھر؟''

''اگلے دسمبر تک۔''

''وعدہ؟'' شاہ میر نے خوش ہوکر کہا۔

''جی۔'' صفورا بھی شرارتی موڈ میں تھی۔ شاہ میر کھانا آنے تک اس طرح کی باتیں کرتا رہا۔ پھر صفورا نے موضوع بدلا۔ ''زمان شاہ بتارہا تھا کہ آپ نے دلبر جانی کی ضمانت لے لی۔ پہلے تو یہ منصوبہ نہیں تھا؟''

''ہاں۔'' شاہ میر سنجیدہ ہوگیا۔ کچھ لمحے خاموش رہا، پھر بولا۔ ''میں اسے اپنی خوش بختی سمجھتا ہوں صفورا کہ میرے پاس جو کیس آتے ہیں، وہ چھوٹے موٹے لوگوں کے نہیں بلکہ خونخوار اژدھوں کے ہوتے ہیں۔ خانیہ سکندر، بظاہر ایک سماجی کارکن ہے لیکن اس کی آڑ میں وہ بہت بڑی ملک دشمنی کررہی ہے۔ وہ غیر ملکی تخریب کاروں کی مدد سے ہمارے وطن کو شدید نقصان پہنچارہی ہے۔ وہ اعلیٰ پائے کی اسمگلر ہے۔ ایسے لوگ کبھی قانون کے شکنجے میں نہیں آتے، بس اتفاقاً علی رضا کے ذریعے اس کی اصلیت کا انکشاف ہوا اور پھر وہ روشنی میں آتی چلی گئی۔ پھر جو کچھ ہوا تمہارے علم میں ہے لیکن اس کے باوجود اس پر ہاتھ ڈالنا آسان نہیں ہوگا۔ اس لئے میں دوسرے کھیل کھیل رہا ہوں۔''

''کھیل؟'' صفورا نے کہا۔

''ہاں۔ خانیہ نے براہِ راست مجھ سے رابطہ کیا۔ ایک طرف مجھ سے دلبر جانی کی رہائی کی بات کی، دوسری طرف مجھے رشوت کے الزام میں پھنسانے کی کوشش کی اور اس میں ناکام رہی۔ پھر اس نے دوبارہ مجھ پر جال ڈالا اور ایک بڑے آدمی کے ذریعے دلبر جانی کی ضمانت کرائی لیکن میں نے اسے اسی کے داؤ پر چت کردیا۔''

''کیسے؟''

''بالکل اسی طرح جیسے علی رضا کو اس کے چنگل سے نکال کر محفوظ کردیا ہے۔ اس کی خوشنودی بھی حاصل ہوگئی کہ میں نے اس کی خواہش کی تکمیل کردی اور دلبر جانی کی زندگی بھی محفوظ ہوگئی۔ اس کے علاوہ ایک تیسرے منصوبے کا آغاز بھی کردیا ہے۔''

''وہ کیا؟''

''اس کا ذہن منتشر کردیا ہے۔ وہ سوچ رہی ہوگی کہ یہ کون ہے جو اس کے سارے منصوبے ناکام بنارہا ہے۔ کیا اس کا کوئی طاقتور دشمن جو پولیس میں نہیں ہے۔''

''اومائی گاڈ......'' صفورا سنسنی خیز لہجے میں بولی۔

''ہاں۔ لوہے کو لوہا کاٹے گا۔ دو اژدھے آمنے سامنے آئیں گے اور......'' شاہ میر نے کہا۔ پھر وہ صفورا کو اپنے منصوبے کے بارے میں بتانے لگا تھا۔

☆......☆......☆

اس کا خیال ٹھیک تھا۔ خانیہ سکندر کے ستارے گردش میں تھے، بُرا وقت اس پر وار کررہا تھا۔ اس کا لاڈلا بیٹا جواد عرف جم ایک ایسے شخص کی بیٹی کو چھیڑ بیٹھا تھا جو اسی سنڈیکیٹ کا ممبر تھا لیکن خانیہ کا سخت مخالف اور دشمن...... جواد سرکشی پر آمادہ تھا اور اس نے ماں سے کہا تھا کہ اس کی شادی زونی شیر بخش سے کرائی جائے ورنہ وہ اسے اغوا کرلے گا اور راجہ شیر بخش وہی شخص تھا۔ دوسری بری خبر بڑی تفصیل سے ارشاد احمد نے دی تھی کہ شاہ میر نے پورا تعاون کرتے ہوئے دلبر جانی کو ضمانت پر رہا کردیا تھا لیکن راستے میں کچھ نقاب پوش اسے اٹھا کر لے گئے۔ البتہ ارشاد احمد نے اس گاڑی کا نمبر دیکھ لیا تھا جس میں نقاب پوش دلبر جانی کو لے گئے تھے اور پھر اس نے نمبروں کی چھان بین کی تو معلوم ہوا کہ وہ راجہ شیر بخش کے نام رجسٹرڈ ہے۔ تیسری سب سے بری خبر یہ تھی کہ اس اخبار میں ایک اور خبر شائع ہوئی تھی جس سے دوبارہ خانیہ بدترین نقصان سے دوچار ہوئی تھی۔ یہ خبر ایک فیچر کی شکل میں تھی جس کا عنوان تھا۔ ''روشنیوں کے شہر میں بھوتوں کا بسیرا۔''

ایک قدیم عمارت کی تین تصویریں اخبار میں شائع ہوئی تھیں اور خبر یوں تھی کہ تقسیم سے قبل کی اس عمارت میں بھوت بہت آرام سے قیام پذیر ہیں، راتوں کو اس کی کھڑکیاں روشن نظر آتی ہیں اور ان پر سائے لہراتے ہیں جبکہ یہ عمارت برسوں سے ویران اور غیر آباد ہے۔ کبھی کبھی اس عمارت سے دبی دبی چیخیں اور کراہیں سنائی دیتی ہیں۔ بظاہر اسے آسیب زدہ سمجھا جاتا ہے لیکن عین ممکن ہے کہ اسے مجرمانہ کارروائیوں کے لئے استعمال کیا جارہا ہو۔ سنا گیا ہے کہ شہر میں ایسی اور بھی کئی عمارتیں ہیں جہاں اس طرح کے واقعات رونما ہوئے ہیں، ان میں چار اور عمارتوں کی نشاندہی ہوئی ہے جن کی تفصیل آئندہ ہفتے پیش کی جائے گی۔

''اور یہ وہی عمارتیں ہیں جن میں ہمارے اسٹورز ہیں اور جہاں سے بڑی سپلائی ہوتی ہے۔ یہ سب میری تحویل میں ہیں اور یہاں جو کچھ ہوتا ہے، میرے اشارے پر ہوتا ہے۔ ان عمارتوں میں کھربوں روپے کا سامان موجود ہے جسے فوراً کہیں ٹرانسفر بھی نہیں کیا جاسکتا، اتنی بڑی جگہ کہیں نہیں مل سکتی۔ اگر یہ روشنی میں آگئیں اور ان کی تلاشی لی گئی تو میرے لئے خودکشی کے سوا کوئی اور راستہ نہیں ہوگا۔'' خانیہ نے سامنے بیٹھی سیسلا سے کہا۔

وہ پریشانی سے گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ پھر اس نے کہا۔ ''اور اب یہ بھی پتا چل گیا کہ آپ کے خلاف ان کارروائیوں کے ذمہ دار راجہ شیر بخش ہیں۔''

خانیہ نے فوراً اس بات کا جواب نہیں دیا۔ کچھ دیر توقف کے بعد اس نے کہا۔ ''اس میں کچھ اوہام ہیں۔ مثلاً یہ کہ ایک سیکرٹ فائل غلطی سے ایک غیر متعلقہ شخص کے ہاتھ لگ گئی، اس نے اسے پڑھا اور اس پر حب الوطنی کا جنون سوار ہوگیا تو میں نے دلبر جانی کے ذریعے اسے اغوا کرالیا لیکن پولیس نے دلبر کو اٹھا کر اس پر تشدد کیا اور مغوی کی نشاندہی ہوگئی۔ بعد میں مغوی کو تھوڑی دیر کے بعد دوبارہ اغوا کرلیا گیا اور دوبارہ اغوا کرنے والے ہمارے آدمی نہیں تھے۔ بمشکل دلبر کو ضمانت پر چھڑایا گیا تو اسے دوبارہ اغوا کرلیا گیا۔ پولیس کو اس سے جو کچھ معلوم کرنا ہوگا، وہ کرچکی ہوگی۔ اس کے بعد دلبر ان کے کسی کام کا نہیں تھا۔ پھر ارشاد احمد نے راجہ شیر بخش کی گاڑی ٹریس کرلی۔ میں جانتی ہوں کہ راجہ مجھے ڈبودینا چاہتا ہے لیکن ان عمارتوں کی نشاندہی کرکے وہ خود بھی نہیں بچ سکتا کیونکہ یہ سنڈیکیٹ کی ملکیت ہیں۔ بس یہاں شبہ ہوتا ہے لیکن اور دوسرا کون ہوسکتا ہے۔''

''جی خانیہ۔''

''دوسری طرف میرے بچے ہیں۔ جم بے حد سرکش ہے۔ کہیں وہ راجہ کی بیٹی زونی کے ساتھ کوئی بدتمیزی نہ کر بیٹھے، لینے کے دینے پڑجائیں گے۔ میں بہت پریشان ہوں۔ میں نے زلفی صاحب کو فون کیا ہے، ان سے ملتی ہوں، اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ ان سے مدد لوں۔''

☆......☆......☆

بے حد خوبصورت علاقے میں ایک زبردست کوٹھی کے لان پر ایک پُر وقار شخصیت بیٹھی ہوئی تھی۔ کوٹھی کے سامنے اور اطراف میں زبردست سیکورٹی تھی۔ باوردی ملازمین ادھر سے اُدھر آجارہے تھے۔ گیٹ پر مستعد مسلح محافظوں نے اس کار کو دیکھ کر جلدی سے گیٹ کھول دیا جس کے بارے میں انہیں ہدایت کردی گئی تھی۔

کار پورچ میں جاکر رکی تو ایک باوردی ملازم نے آگے بڑھ کر کار کا دروازہ کھولا اور خانیہ نیچے اتر آئی۔ اس کے شانے سے ایک بڑا ہینڈ بیگ لٹکا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر لان پر بیٹھے ہوئے شخص نے ہاتھ ہلایا اور خانیہ اس کی طرف چل پڑی۔ جب وہ قریب پہنچی تو کرسی پر بیٹھے شخص نے کھڑے ہوکر اس کا استقبال کیا۔

''اگر آس پاس ملازم نہ ہوتے تو تمہیں سلوٹ کرتا۔'' میزبان نے خوش مزاجی سے کہا۔

''جب تم ایسی باتیں کرتے ہو تو جی اور جل اٹھتا ہے۔''

''ہائے، اس جلن کی تپش ہی تو ہمیں انرجی دیتی ہے۔ بیٹھو۔'' میزبان نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔ خانیہ بیٹھ گئی۔

''نکھرتی ہی جارہی ہو، اپنے حسن کا راز ہمیں بھی بتادو۔''

''تھوڑے دن باقی ہیں زندگی کے، مذاق اُڑالو۔'' خانیہ نے کہا۔

''ارے نہیں، تم سلامت رہو ہزار برس، کوئی پریشانی ہے کیا؟''

''ایک پریشانی ہے۔ دشمنوں نے میرے خلاف محاذ بنالیا ہے اور میں تنہا کھڑی ہوں۔''

''ہمارے ہوتے ہوئے؟''

''تم خبر کہاں لیتے ہو۔''

''بتاؤ کیا بات ہے؟'' اس شخص نے کہا۔

خانیہ نے ''الف'' سے لے کر ''ے'' تک پوری داستان سنادی۔ پھر بولی۔ ''اور آخری وار میرے دشمن نے یہ کیا ہے کہ میرے اسٹورز کی کہانی بنا کر اخبار میں چھاپ دی تاکہ پولیس اس طرف متوجہ ہوجائے۔ یہ سب اسی فائل کی مدد سے ہوا ہے۔ اگر اسٹوروں پر چھاپے پڑگئے تو کھربوں روپے کی مالیت کا سامان پولیس کے قبضے میں چلا جائے گا اور مجھے سولی پر لٹکادیا جائے گا۔''

''مجال ہے کسی کی۔ ویسے تمہارا کیا خیال ہے، اس کے پیچھے کون ہے؟''

''راجہ شیر بخش۔'' خانیہ نے کہا۔ وہ شخص اچھل پڑا۔ پھر بولا۔ ''تمہیں کیسے معلوم؟''

''بتاچکی ہوں۔ دلبر جانی کو اسی کی گاڑی میں اغوا کیا گیا ہے۔''

''وہ میرا بھی دوست ہے۔ اتنا بے وقوف نہیں کہ ایسے کام کے لئے اپنی گاڑی استعمال کرے لیکن خیر اسے چیک کرلیں گے۔ تمہاری پریشانی بجا ہے۔ ہم تمہارے پاس دو ایسے کام کے لوگوں کو بھیجیں گے جو تمہارے پاس رہیں گے اور تمہارے اصل باڈی گارڈ ہوں گے۔'' باوردی ملازموں نے مشروب کے برتن لاکر سجادیئے اور میزبان دیر تک خانیہ کو کچھ سمجھاتا رہا۔

☆......☆......☆

راجہ شیر بخش گٹھے ہوئے بدن، بھاری جبڑوں اور تنگ پیشانی والا آدمی تھا۔ جرم کی دنیا کا بے تاج بادشاہ تھا۔ اس وقت شہر کے بڑے دولت مندوں میں شمار ہوتا تھا۔ اسی مناسبت سے اس کی کوٹھی عالیشان تھی۔ اس وقت اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھا فون پر بات کررہا تھا کہ ڈرائنگ روم میں ایک خوبصورت، خوش لباس لڑکی داخل ہوئی اور شیر بخش نے فون بند کردیا۔

لڑکی اس کے پاس پہنچ کر غصیلے لہجے میں بولی۔ ''کیا آپ اپنا تعارف کراسکتے ہیں سر؟''

''تمہاری والدہ ہمیں تمہارا باپ کہتی تھیں مس۔''

''ان کی موت کے بعد کیا یہ رشتہ ختم ہوگیا؟''

''ایسا ہوتا تو نہیں ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟''

''ہوگیا ہے۔''

''ہمارے علم میں نہیں ہے، آپ کو کیسے معلوم ہوا؟''

''کتنے دن کے بعد ملے ہیں آپ مجھے۔''

''بھئی نوکری جو ہے۔ تمہارے باپ کی پوسٹ پر کام کررہے ہیں ہم۔ مصروفیت تو رہتی ہے۔''

''جی نہیں۔ دو کوڑی کے ہیں ہم۔''

''نہیں بیٹے...... ارب پتی ہیں۔''

''بیکار ہے۔ دو کوڑی کے لوگ آپ کی بیٹی کو دھمکیاں دینے لگے ہیں۔''

''کیا؟'' راجہ شیر بخش اچھل پڑا۔

''جم کو جانتے ہیں آپ۔ خانیہ سکندر کا بیٹا جم۔''

''خانیہ سکندر۔'' راجہ شیر بخش کا چہرہ سکڑ گیا۔ ''ہاں! کیا بات ہے؟''

''بدتمیزی کی ہے اس نے میرے ساتھ۔ بھرے کلب میں مجھے پکڑ کر چکر دیئے ہیں۔ میں اس کے ساتھ رقص نہیں کرنا چاہتی تھی۔'' شیر بخش کی آنکھیں سرخ ہوگئیں۔ ''دھمکیاں دی ہیں اس نے مجھے۔ کہا ہے مجھے خرید کر پھینک دے گا۔''

راجہ غصے سے سرخ ہوگیا۔ دیر تک خاموش رہا۔ پھر بولا۔ ''کیا سزا چاہتی ہو...... سزائے موت؟''

''نہیں۔ اسے اس کی اوقات پتا چلنی چاہئے۔''

''ٹھیک ہے، بے فکر ہوجاؤ۔ جتنے لوگوں کے سامنے اس نے یہ حرکت کی ہے، اتنے ہی لوگوں کے سامنے اسے تمہارے جوتے چاٹنے ہوں گے۔ تم ان سب کی فہرست بنالو۔ اس تقریب کے لئے ہم انہیں انوائٹ کریں گے۔''

''میں انتظار کروں گی۔''

''او کے۔ اب یہ تمہارا کیس نہیں، میرا ہے۔'' راجہ شیر بخش نے کہا اور لڑکی باہر نکل گئی۔ راجہ شیر بخش نے کچھ توقف کیا۔ پھر موبائل فون اٹھا کر خانیہ کے نمبر ملانے لگا۔ کچھ لمحوں کے بعد اس سے رابطہ قائم ہوگیا تو اس نے پوچھا۔ ''خانیہ بول رہی ہو؟''

''اچھا۔ اب آواز بھی نہیں پہچانتے۔''

''خانیہ۔ جواد تمہارا بیٹا ہے؟''

''تمہارا بھی ہے۔'' خانیہ نے اپنائیت بھرے لہجے میں کہا۔

''خدا نہ کرے کہ میرا خون اس قدر گندہ ہو۔ ویسے تمہاری ایک بیٹی بھی ہے جو غالباً جوان ہوچکی ہے۔''

''شیر بخش...... نشے میں ہو کیا؟'' خانیہ کی آواز میں ناگن کی پھنکار تھی۔

''شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر مارا ہے تمہارے ناخلف نے۔ میری بیٹی سے بدتمیزی کی ہے۔''

''ہاں۔ مجھے علم ہوا ہے مگر وہ بدتمیزی نہیں تھی۔ جم تمہاری بیٹی کو پسند کرتا ہے، اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ میں تم سے بات کرنا چاہتی تھی۔''

''گڈ...... خانیہ سکندر، تمہارے دو ہی بچے ہیں نا۔''

''ہاں...... اور میں نے ان کی ہر خوشی پوری کی ہے۔''

''ان کے باپ کا نام کیا ہے؟''

''کیا کہنا چاہتے ہو تم؟''

''وہ جو تم بھول چکی ہو۔ یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ان بچوں کا کوئی باپ نہیں اور یہ کہ تم کسی شریف گھر میں داخل ہونے کے قابل نہیں ہو۔''

دوسری طرف خاموشی طاری رہی۔ پھر خانیہ کی آواز ابھری۔ ''کچھ زیادہ گالیاں نہیں دے ڈالیں میرے راجہ جی۔''

''ان میں سے ایک بھی گالی نہیں تھی۔ یہ میں نے تمہیں تمہاری اوقات بتائی ہے۔ گالیاں تو اس کے بعد شروع ہوتی ہیں۔ سنو جو کچھ تمہارے بیٹے نے کیا ہے، تمہیں اس کا ازالہ کرنا ہوگا۔''

''کیسے؟'' خانیہ نے پوچھا۔

''اس بارے میں بعد میں تمہیں بتاؤں گا۔''

''ہوں۔ دل کی بھڑاس نکل گئی؟'' خانیہ کی آواز نرم اور شیریں تھی۔

''ابھی کہاں، اب تو کھیل شروع ہوا ہے، انتظار کرو۔'' راجہ شیر بخش نے کہا اور فون بند کردیا۔

☆......☆......☆

عمارت بے شک پرانی تھی لیکن مضبوط اور صاف ستھری۔ سیاہ رنگ کی ویگن اس سے کچھ فاصلے پر رک گئی۔ ''آؤ۔'' شاہ میر نے کہا اور صفورا دوسری طرف سے اتر کر اس کے پاس آگئی۔ شاہ میر اس کے ساتھ عمارت کے صدر دروازے کے پاس پہنچ گیا۔ دروازے پر پرانے طرز کا تالا پڑا ہوا تھا۔ شاہ میر نے پشت سے بندھے تھیلے سے ایک خاص اوزار نکالا، صرف چند سیکنڈ وہ تالے پر مصروف رہا اور تالے نے منہ کھول دیا۔ شاہ میر صفورا کے ساتھ اندر داخل ہوگیا۔

''واقعی بڑی پُراسرار عمارت ہے۔ یہ وہی عمارت ہے جس کی تصویر اجمل شاہ نے چھاپی ہے۔''

''ہاں آؤ۔'' شاہ میر بولا۔ نہ جانے کیوں اس وقت شاہ میر بے حد پُراسرار نظر آرہا تھا۔ صفورا نے بے اختیار کہا۔ ''اس وقت تو آپ خود اس آسیب زدہ عمارت کے آسیب نظر آرہے ہیں۔''

شاہ میر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اپنے اوزاروں کی مدد سے وہ مضبوط ترین تالے کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ پھر وہ ایک بڑے ہال میں داخل ہوگئے جس کے دونوں طرف اوپر جانے کے لئے زینے بنے ہوئے تھے۔ وہ عمارت کے دوسرے کمروں کا جائزہ لینے لگا۔

صفورا نے کہا۔ ''یہ عمارت بے شک قدیم ہے لیکن......'' اس کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ شاہ میر دیواروں میں کچھ ٹٹول رہا تھا۔ الیکٹرک سوئچ بورڈ کچھ عجیب تھا اور شاہ میر اس کا جائزہ لے رہا تھا کہ کسی سوئچ پر اس کا ہاتھ پڑ گیا اور ایک ہلکی سی سرسراہٹ کے ساتھ ایک دیوار سلائڈ ہونے لگی۔ پھر اس کے پیچھے ایک عظیم الشان الماری نمودار ہوگئی جس میں ہزاروں کے حساب سے چھوٹے چھوٹے کارٹن اور ڈبے چنے ہوئے تھے۔ شاہ میر کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس نے ایک بکس کھول لیا۔ اندر سے مزید چھوٹے پیکٹ برآمد ہوئے اور شاہ میر ہاتھ میں دبی ٹارچ کی روشنی میں ان پر موجود تحریر پڑھنے لگا۔ پھر بولا۔ ''زندگی بچانے والی دواؤں کے انجکشن ہیں، دیکھو نہیں!'' صفورا دنگ رہ گئی تھی۔ گراؤنڈ فلور کی تمام دیواروں میں ایسی الماریاں بنی ہوئی تھیں جو باہر سے پتا نہیں چلتی تھیں لیکن مخصوص سوئچ دبانے سے یہ الماریاں کھل جاتی تھیں۔ ان میں لاکھوں کی تعداد میں ایسی دواؤں کے بکس چنے ہوئے تھے جو نایاب تھیں۔ بڑی مشکل سے اپنی قیمت سے دس گنا قیمت پر دستیاب ہوتی تھیں۔ چار منزلہ عمارت کے ہر کمرے میں ایسی الماریاں بھری پڑی تھیں اور صفورا حیرت سے گنگ تھی۔

''ایسی عمارت کو اس طرح چھوڑ دیا گیا ہے۔'' اس کے منہ سے نکلا۔

''پہلے ایسا نہیں ہوگا۔ اجمل شاہ کے انکشاف پر ایسا کیا گیا ہے۔''

''میرے خدا! ان کی قیمتوں کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ اس عمارت کا مالک کون ہے؟''

''ایسی مزید عمارتیں ہیں جن کی تفصیل اس فائل میں درج ہے جو اتفاق سے علی رضا کے ہاتھ لگ گئی تھی۔'' شاہ میر نے بتایا۔ ''لیکن ان کے کسی ایک مالک کا نام پتا لگانا بے حد مشکل ہے کیونکہ کچی گولیاں نہیں کھیلی گئی ہوں گی البتہ اس فائل میں جو نام ہیں، وہ ایسے ہیں کہ ان کی طرف نگاہ بھی نہیں ڈالی جاسکتی لیکن......'' شاہ میر نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ اس کے چہرے پر آگ دہکتی نظر آرہی تھی۔

گراؤنڈ فلور سے فرسٹ پھر سیکنڈ پھر تھرڈ فلور...... ہر جگہ وہ الماریاں نظر آرہی تھیں اور ان میں دوائیں چھت تک چنی ہوئی تھیں۔ شاہ میر نے پھر ایک پیکٹ نکال کر اس کا جائزہ لیا اور بولا۔ ''دیکھو اسے دیکھو، اس کی تاریخ دیکھو، یہ کب کی ایکسپائر ہوچکی ہے۔ یہ زہر بن چکی ہے لیکن یہ نئی پیکنگ کے ساتھ بازار میں آجائے گی اور اسے استعمال کرنے والے...... نہیں، یہ ٹھیک نہیں ہے صفورا۔ یہ موت کے سوداگر کب تک یہ سب کچھ کرتے رہیں گے، اس عمارت کو، اس زہر کو......'' شدت جذبات سے شاہ میر کی آواز کپکپانے لگی۔ ''میں یہاں چھاپہ ڈلوا سکتا ہوں۔ یہ سب کچھ منظر عام پر لاسکتا ہوں لیکن اس کے بعد مجھے راستے سے ہٹادیا جائے گا اور ان کا کچھ نہیں بگڑے گا لیکن......'' اچانک شاہ میر نے کچھ سوچا۔

وہ جلدی سے اٹھ کر ایک کھڑکی کے پاس گیا اور اس نے جھانک کر باہر دیکھا۔ اوپر چھت سے پانی کے موٹے موٹے پائپ نیچے تک آرہے تھے۔ شاہ میر انہیں دیکھتا رہا۔ پھر وہ چھت پر گیا۔ چھت پر بہت بڑا پانی کا ٹینک بنا ہوا تھا۔ ٹینک پوری طرح بھرا ہوا تھا۔ شاہ میر کچھ سوچتا رہا۔ پھر اس نے صفورا سے کہا۔ ''تم باہر جاکر گاڑی میں بیٹھو۔''

''کیا کریں گے شاہ میر؟'' صفورا نے لرزتی آواز میں پوچھا۔

''ایک کوشش۔ جاؤ پلیز۔'' شاہ میر نے عاجزی سے کہا اور صفورا باہر نکل گئی۔

کوئی پندرہ منٹ گزر گئے۔ پھر اچانک پانی کا خوفناک شور ابھرا اور صفورا کا سانس رک گیا لیکن اس نے دوسرے لمحے سکون کا سانس لیا۔ شاہ میر دوڑتا ہوا باہر نکلا تھا اور کار میں آبیٹھا تھا۔ سامنے کا منظر بے حد خوفناک تھا۔ جگہ جگہ الیکٹرک کے جھماکے ہورہے تھے اور پھلجھڑیاں چھوٹ رہی تھیں۔ ساتھ پُرشور آواز کے ساتھ پانی گررہا تھا۔

''میں نے تمام الماریاں کھول دی ہیں، ساتھ ہی الیکٹرک کے مین سوئچ بورڈ کھول کر ان کے فیوز نکال دیئے ہیں، اوپر سے آنے والا پانی ان پر گررہا ہے اور شارٹ سرکٹ ہورہے ہیں۔ اس سے کچھ اور زیادہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ ہم دو افراد کُران تمام دواؤں کو تلف نہیں کرسکتے تھے۔ لیکن اب ہر چیز فنا ہوجائے گی اور کل صبح کے اخبارات ان کی تفصیل شائع کریں گے۔ اجمل شاہ ان دوسری عمارتوں کی تفصیل بھی شائع کرے گا۔''

''کیا یہ تفصیل آپ نے اسے دے دی ہے؟'' صفورا نے پوچھا۔

''نہیں۔ میں نے نہیں دی بلکہ اجمل شاہ سے علی رضا کی گہری دوستی ہے۔ اس نے اس فائل کی مکمل نقل اجمل شاہ کے پاس محفوظ کردی تھی اور اصل فائل فیجر ریاض احمد کو دے دی تھی جو اب میرے پاس ہے۔''

''اجمل شاہ نے پہلے تو نہیں بتایا۔''

''بہت گہرا آدمی ہے لیکن اچھا دوست ہے۔ اس نے علی رضا کی دی ہوئی فائل کا تذکرہ مجھ سے نہیں کیا۔ فائل کی نقل کے بارے میں خود علی رضا نے مجھے بتایا تھا اور اب میرے کہنے پر اجمل شاہ ان عمارتوں کی تفصیل شائع کرے گا، اس طرح وہ سب روشنی میں آجائیں گی۔''

''میرے خدا۔'' صفورا نے سر پکڑ لیا۔

☆......☆......☆

راجہ شیر بخش کافی پی رہا تھا۔ اس کے پاس بھنے ہوئے کاجو کی پلیٹ رکھی تھی اور سامنے ایک کتاب جس پر قیمتی فون رکھا تھا۔ فون پر اشارہ موصول ہوا تو اس نے فون اٹھالیا۔ دوسری طرف سے گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ ''سر، آپ کو خبر مل گئی؟''

''کیسی خبر؟''

''سر، اسٹیشن فور تباہ ہوگیا۔ اس وقت اس کے گرد بہت بڑا مجمع لگا ہوا ہے۔ پولیس کی دس گاڑیاں، میڈیا کے لوگ اور پریس والے دھڑا دھڑ تصویریں بنارہے ہیں۔''

''کیا؟''

''جی سر۔ میں اتفاقیہ ادھر سے گزر رہا تھا کہ میں نے اسٹیشن فور کے گرد مجمع دیکھا۔''

''تباہ ہونے سے تمہاری کیا مراد ہے؟''

''خاکستر ہوگیا ہے، کئی دیواریں گرچکی ہیں، جلے ہوئے کارٹن بکھرے پڑے ہیں، شیشہ ہی شیشہ پڑا ہے۔''

''کیا وہاں بم دھما کا کیا گیا ہے؟''

''نہیں سر۔ اوور ہیڈ واٹر ٹینک کے تمام والو کھول دیئے گئے ہیں اور لائینیں موڑ کر پانی اندر لایا گیا ہے۔ پانی کا خوفناک ریلا الیکٹرک مین سوئچ توڑ کر ساری دیواروں میں کرنٹ پھیلانے کا باعث بنا ہے۔ سر...... بڑے اونچے پیمانے پر کام ہوا ہے۔''

''اوہ...... تم میرے پاس آجاؤ۔'' فون بند کرکے راجہ شیر بخش بری طرح ہانپنے لگا۔ اس کے بدن نے پسینہ چھوڑ دیا تھا۔ وہ شدید اضطراب کا شکار ہوگیا تھا اور اس پر تشنجی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔

کچھ دیر کے بعد اطلاع دینے والا آگیا۔ وہ خود بری طرح نروس تھا۔ ''ٹینک کے ذریعے بڑے منظم طور پر تباہی پھیلائی گئی ہے سر۔'' اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

''اور قید خانہ۔''

''پولیس کی نفری وہاں بڑھتی جارہی ہے۔ قید خانہ بھی سامنے آجائے گا۔ سر! تین ارب کی سپلائی چوبیس تاریخ کو دینی تھی۔ سر...... رقم مل چکی ہے۔ بس پیکنگ شروع کرنے والا تھا۔''

''قید خانے میں آٹھ ارب کا مال تھا۔ ہم ختم ہوگئے، دو کوڑی کے ہوگئے، شارمن دیوانہ ہوجائے گا۔ آہ ہم کیا جواب دیں گے۔ اسٹیشن فور کی سیکورٹی اسی لئے ہٹائی گئی تھی کہ فائل کے غائب ہونے کے بعد کوئی اس کی طرف متوجہ نہ ہوسکے۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ ہمیں کس نے ختم کیا ہے۔ فائل اتفاقاً غائب نہیں ہوئی تھی، اسے ایک منصوبے کے تحت غائب کیا گیا تھا۔''

''کس نے سر؟''

''ہم نے طوائف کو طوائف کہہ دیا تھا۔ آہ! ناگن وار کرگئی۔ خیر وہ کامیاب ہوگئی۔ مجھے روپوش ہونا پڑے گا۔ تمہیں کچھ کام کرنے ہیں، سنو۔'' شیر بخش اسے کچھ سمجھانے لگا۔

''اوہ سر...... لیکن۔'' اس شخص نے ہچکچاہٹ سے کہا۔

''نہ کرنا چاہو تو بتادو، اب میں کسی کو مجبور نہیں کرسکتا۔''

''نہیں سر۔ میں آپ کا خادم ہوں۔''

''جاؤ۔'' شیر بخش نے کہا۔ اس کے جانے کے بعد اس نے ایک ملازم کے ذریعے اپنی بیٹی کو طلب کیا اور وہ مسکراتی ہوئی آگئی۔ ''کیسی ہو جان۔''

''ٹھیک نہیں ہوں پاپا جی۔ اس کتے نے جس دن سے کلب میں میری توہین کی ہے، اس دن سے کلب جانے کو دل نہیں چاہتا۔''

''میں نے اس کا حل سوچ لیا ہے۔ اس کے علاوہ ہم نے تمہارے باہر جانے کا بندوبست بھی کردیا ہے۔''

''اوہ سوئٹ پپا! تھینک یو، تھینک یو ویری مچ!'' لڑکی نے خوشی سے شیر بخش کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

☆......☆......☆

خانیہ سکندر صوفے پر دراز تھی۔ ایک ڈاکٹر اس کا معائنہ کررہا تھا۔ کچھ لمحوں کے بعد ڈاکٹر نے کہا۔ ''کوئی خاص بات نہیں ہے عالیہ۔ آپ نے دل و دماغ پر زیادہ بوجھ لے لئے ہیں۔ خود کو ریلیکس کیجئے۔ بہتر ہے کچھ دن کے لئے ملک سے باہر نکل جایئے۔''

''دوائیں لکھ دیں تم نے؟'' خانیہ نے خشک لہجے میں کہا۔

''جی عالیہ۔''

''جاؤ آرام کرو۔'' خانیہ نے کہا اور ڈاکٹر اپنا بیگ سنبھالنے لگا۔ پھر وہ سلام کرکے باہر نکل گیا۔ خانیہ کا موڈ بگڑا ہوا تھا۔ سیسلا اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اسی وقت خانیہ کے فون پر بیل ہوئی تو اس نے سیسلا کو اشارہ کیا۔ ''دیکھو۔''

اس کے حکم پر سیسلا نے فون اٹھالیا تو دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''ہیلو میں غور خان بول رہا ہوں عالیہ۔''

''ایک منٹ غور خان۔'' سیسلا نے کہا اور خانیہ کو غور خان کے بارے میں بتایا۔ اس نے فون ہاتھ میں لے لیا۔

''ہاں مرو...... کیا بات ہے؟'' خانیہ بگڑے ہوئے لہجے میں بولی۔

''آپ کو اطلاع مل گئی خانیہ؟'' غور خان کی آواز ابھری۔

''کون مرگیا۔ دو کوئی اطلاع۔''

''راجہ شیر بخش۔'' دوسری طرف سے آواز آئی اور خانیہ اچھل کر بیٹھ گئی۔

''کیا بک رہا ہے؟''

''کتے کی موت مرگیا عالیہ۔''

''اپنی بکواس پوری کرے گا۔ یا......''

''اسٹیشن فور تباہ ہوگیا عالیہ۔ وہ اس کا گودام تھا۔ اس کے سارے اثاثے اسٹیشن فور میں تھے۔'' غور خان نے کہا اور پوری تفصیل بتادی۔ خانیہ سکتے کے عالم میں سن رہی تھی۔ غور خان کے خاموش ہونے کے بعد بھی وہ دیر تک خاموش رہی۔ پھر اس نے کہا۔ ''غور خان! اپنے تمام آدمیوں کو یکجا کرلو، انہیں مسلح کردو، کسی بھی وقت کوئی خطرہ پیش آسکتا ہے۔ خبردار کوتاہی نہ ہو، دوبدو جنگ شروع ہوسکتی ہے۔''

''جی عالیہ......''

''فوری عمل کرو۔ ایک لمحے کی تاخیر ہمیں ختم کردے گی۔'' ان الفاظ کے ساتھ اس نے فون بند کردیا۔ سیسلا اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ خانیہ نے کہا۔ ''بات بہت بگڑ گئی ہے۔ کہیں وہ مردود مجھ پر شک نہ کرے۔ اوہ! واقعی کچھ اور ہی ہورہا ہے۔ مگر کیا؟''

☆......☆......☆

''اوہ میرے خدا۔ میرے خدا۔ اہلِ وطن نے اپنے مفاد کے لئے وطن کی تباہی کے کیسے منصوبے بنارکھے ہیں۔ اربوں روپے کی جعلی ادویات اور ایسی جو اپنی میعاد گزر جانے کے بعد زہر بن چکی تھیں، تباہ ہوگئی ہیں لیکن اس کے علاوہ جو کچھ ہوا ہے وہ...... میرے خدا۔ اللہ نے رحم کیا ہے ورنہ وہ سب میرے گمان میں بھی نہیں تھا۔''

''کیا؟''

''عمارت کے نیچے ایک بہت بڑا تہہ خانہ برآمد ہوا ہے جس میں جدید اسلحے کا اتنا بڑا ذخیرہ نکلا ہے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔ گولہ بارود کے ذخائر، خودکش جیکٹوں کا سامان، عمارت میں شارٹ سرکٹ ہورہے تھے، اگر یہ سلسلہ تہہ خانے تک پہنچ جاتا تو جو تباہی ہوتی، اسے تاریخ نہیں بھلاسکتی تھی لیکن پانی تہہ خانے میں بھر گیا تھا، اس لئے بچت ہوگئی۔''

''اوہ۔'' صفورا کے بدن میں جھرجھری دوڑ گئی۔

''لیکن ابھی اور بھی عمارتیں باقی ہیں جن کی تصویریں فائل میں موجود ہیں۔ میں نے انتظام تو کیا ہے ان کے لئے لیکن اس سے مطمئن نہیں ہوں۔ خیر، مزید کوشش کرتا ہوں۔'' شاہ میر نے کہا اور صفورا پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگی۔

☆......☆......☆

خانیہ سکندر چونک پڑی۔ اس نے راجہ شیر بخش کا نمبر پہچان لیا تھا۔

''ہیلو...... راجہ شیر، کہاں مرگئے تھے تم۔ میں پاگلوں کی طرح تمہیں تلاش کرتی پھر رہی ہوں۔''

''اپنی اوقات بھول کر بات کررہی ہے خانیہ۔ بڑے لوگوں سے کس طرح بات کی جاتی ہے، یہ تک یاد نہیں۔'' دوسری طرف سے نفرت بھری آواز سنائی دی۔

خانیہ یکدم چپ ہوگئی۔ پھر اس نے کہا۔ ''خوب راجہ خوب۔ میں نے تو یہ اپنائیت سے کہا تھا۔ تمہارے نقصان کے بارے میں سنا تو بیمار پڑ گئی، اتنا دکھ ہوا اس وقت سے مسلسل تم سے اور تمہارے آدمیوں سے رابطے کی کوشش کررہی ہوں، یہ معلوم کرنے کے لئے کہ کیا ہوا۔''

''یہ معلوم کرنا چاہتی تھی نا تو کہ شیر بخش زندہ ہے یا مرگیا۔''

''کیسی باتیں کررہے ہو۔ ہمارے اختلافات ضرور ہیں لیکن میں نے ہمیشہ تمہاری زندگی چاہی ہے۔''

''تیرا قصور نہیں ہے۔ جو کچھ تو نے کیا ہے، وہ تیرے گندے خون نے کرایا ہے۔ اگر کسی عزت دار گھرانے کی ہوتی تو کم از کم یہ نہ کرتی جبکہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ بس ایک میسنجر...... اور کچھ نہیں۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا۔ جو کچھ تم کہہ رہے ہو، اس پر غور بھی کررہے ہو۔''

''خانیہ۔ سکندر! گندا کام کیا ہے تو نے...... عورت تھی عورت ہی رہی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تو نے مجھے مالی بحران میں مبتلا کردیا ہے۔ پر فکر نہ کر۔ آخر کار حالات پر قابو پالوں گا لیکن تجھے میں نے وہ سبق دیا ہے کہ ہمیشہ یاد رکھے گی۔''

''سبق۔'' خانیہ کی آواز حلق میں پھنس گئی۔

''ہاں۔ ایک تحفہ ہے تیرے لئے، ایک یادگار تحفہ۔ میری طرف سے اسے قبول کر۔''

''تمہاری یہی کیفیت ہونی چاہئے شیر بخش۔ پہلے مجھے بہت رنج ہوا تھا لیکن اب جو تم نے بکواس کی ہے، اس کے بعد تم سے ہمدردی ختم ہوگئی ہے۔ تمہارے ساتھ جو ہوا، ٹھیک ہوا۔''

جواب میں راجہ شیر بخش کا ایک ہذیانی سا قہقہہ بلند ہوا اور اس نے کہا۔ ''میری بھی تجھ سے ہمدردی ختم ہوگئی ہے۔ میرا تحفہ وصول کرکے تیرا دل خوش ہوجائے گا۔''

''پتا نہیں کیا کہہ رہے ہو۔''

''تیری کوٹھی کے عقبی حصے میں کالے رنگ کی ایک ناکارہ ویگن کھڑی ہے۔ میرا تحفہ اس ویگن میں محفوظ ہے۔ ہاں، ایک بات اور سن لے خانیہ! مجھے جو نقصان ہوا ہے، وہ اب میری ذات تک محدود نہیں رہے گا، دوسروں کو بھی میں اپنی صف میں دیکھنا چاہوں گا۔ میں قلاش ہوگیا لیکن اب دوسروں کو بھی یہ مزے چکھنے پڑیں گے۔''

''دیکھو جذباتی نہ بنو، مجھ سے ملاقات کرو، میں تمہاری غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کروں گی۔''

''میری غلط فہمی دور کرنے کے بجائے اپنی تقدیر کا ماتم کر۔'' دوسری طرف سے آواز آئی اور فون بند ہوگیا۔ خانیہ فون ہاتھ میں لئے کچھ دیر سوچتی رہی۔ پھر اچھل پڑی۔ اس نے پاس بیٹھی سیسلا سے کہا۔ ''سیسلا! کوٹھی کے پچھلے حصے میں کالے رنگ کی ایک ویگن کھڑی ہے، ذرا جاکر دیکھو اس میں کیا ہے۔ دو چار نوکروں کو ساتھ لے لو اور ذرا احتیاط سے۔ ہوسکتا ہے اس میں کوئی بم وغیرہ چھپادیا گیا ہو۔''

''بم!'' سیسلا نے چونک کر کہا۔

''اچھا رک جاؤ، میں خود چلتی ہوں۔ مجھے یقین تھا کہ وہ مردود مجھ پر ہی شک کرے گا۔''

چھ افراد کے ساتھ خانیہ سکندر کوٹھی کے عقبی حصے میں پہنچی۔ اس نے ساتھ آنے والوں کو سمجھادیا کہ ویگن میں کوئی خطرناک شے ہوسکتی ہے۔ اس لئے پوری احتیاط کرنی ہوگی۔ ویسے خانیہ بہادر عورت تھی اور خود بھی ان چھ افراد سے پیچھے نہیں تھی۔ اس نے کہہ دیا تھا کہ اگر ویگن میں کوئی بم لگادیا گیا ہے تب بھی پہلے وہ اس بم کا شکار ہوگی۔ اس بات نے ساتھ آنے والوں کے حوصلے بڑھادیئے تھے البتہ سیسلا خوف زدہ تھی۔ وہ پیچھے تھی۔

ساتھ آنے والوں نے کافی حفاظتی اقدامات کرلئے تھے۔ ویگن اس وقت ایک خوفناک چیز بن گئی تھی۔ خانیہ کے اشارے پر ویگن کا دروازہ کھولا گیا۔ دروازہ کھولنے والے دو آدمیوں نے اندر جھانکا اور سہم کر پیچھے ہٹ گئے۔ خانیہ خود بھی چونکی تھی۔ وہ لوگ پیچھے ہٹے تو وہ خود بھی پیچھے ہٹ گئی۔

''عالیہ......'' ایک ملازم کی سہمی ہوئی آواز ابھری۔

''کک...... کیا ہے؟'' خانیہ کی آواز خود بھی کپکپاگئی۔

''آپ خود دیکھ لیجئے۔''

''پیچھے ہٹو۔'' خانیہ نے غرائی ہوئی آواز میں کہا اور ویگن کے اندر جھانکا۔ ویگن میں دو لاشیں پڑی ہوئی تھیں ایک اس کے بیٹے جواد، دوسری بیٹی کی۔

خانیہ کے حلق سے ایک سسکی سی نکلی اور پھر اس پر سکتہ سا طاری ہوگیا۔ چند لمحے وہ بے یقینی کے انداز میں آنکھیں پھاڑے ان لاشوں کو دیکھتی رہی، پھر اس کا پورا بدن لرزنے لگا۔ پھر اچانک اس کے اندر تحریک پیدا ہوگئی۔ وہ کسی کی مدد کے بغیر پھرتی سے ویگن پر چڑھ گئی اور لاشوں کے قریب بیٹھ کر انہیں دیکھتی رہی۔ دونوں کے سینوں میں دل کے مقام پر گولیاں ماری گئی تھیں۔ خانیہ نے ایک انگلی سے جم کی پیشانی ٹٹول کر دیکھی۔ پھر اس کے منہ سے نکلا۔ ''یہ کیا کیا تو نے شیر بخش! بچے ماردیئے تو نے میرے، یہ تو نے کیا کیا...... یہ بہت غلط کیا۔ کھیل تو ہمارے درمیان تھا۔ بچوں سے اس کھیل کا دور کا واسطہ بھی نہیں تھا۔ ایں بتاؤ، یہ تو بڑی بزدلی کی بات کی راجہ شیر بخش، تو اتنا چھوٹا نکلا۔ بزدل...... بچے تو تیرے بھی تھے۔''

وہ ایک دم خاموش ہوگئی۔ پھر اس نے ان لاشوں کو چھو کر دیکھا۔ جھکی، ان پر سر رکھا اور بے ہوش ہوگئی۔

☆......☆......☆

بعد میں خانیہ کا رویہ عجیب ہوگیا۔ دونوں لاشوں کی تدفین نہایت خاموشی سے کردی گئی۔ چند خاص لوگوں کے سوا کسی کو اس کی خبر نہیں کی۔ جن لوگوں کو پتا تھا، وہ خانیہ کے خاص وفادار تھے۔

پانچویں دن خانیہ نے غور خان کو طلب کیا اور پوچھا۔ ''غور خان! تمہارے پاس ایکشن گروپ کے کتنے آدمی ہیں؟''

''بہت ہیں عالیہ۔ حکم کریں؟''

''ڈائنامائٹس کا انتظام بھی کرنا ہوگا۔''

''جی عالیہ......''

''تمہیں تمہاری پسند کا وقت دیتی ہوں، وطن سے کہیں بھی چلے جاؤ، کروڑوں روپے دوں گی تمہیں۔ جن لوگوں سے کام لینا ہے، ان کے منہ دولت سے بھردو لیکن ایک بات سن لو جو کام تمہارے سپرد کروں گی، اس میں کوتاہی برداشت نہیں کروں گی۔''

''میں آپ کو سچا وفادار بن کر دکھاؤں گا۔''

''بکواس مت کرو۔ اپنے آپ سے وفاداری کرو۔ جو کام کروگے، اس کا اتنا معاوضہ ملے گا کہ تمہاری نسلیں عیش کریں گی۔''

پھر خانیہ مدھم لہجے میں اسے اپنے کام کے بارے میں بتانے لگی۔

☆......☆......☆

نیو لائن کی ایک قدیم عمارت میں خوفناک دھماکا ہوا تھا اور شہر کا آدھا حصہ لرز کر رہ گیا تھا۔ آس پاس کی کئی عمارتوں کو شدید نقصان پہنچا تھا۔ تباہی کی خبر شاہ میر کو زمان شاہ نے دی تھی۔ شاہ میر نے پُراضطراب لہجے میں کہا۔ ''ہمارے آدمیوں کے بارے میں کوئی خبر ملی جو عمارتوں کی نگرانی کررہے تھے۔''

''ان سے رابطہ کررہا ہوں سر۔ آپ کو رپورٹ دوں گا۔''

''او کے۔'' شاہ میر نے کہا۔ پھر وہ تیار ہوکر اپنی کار میں بیٹھ کر چل پڑا۔ زمان شاہ کی نگرانی میں تیسری عمارت کے پاس سے تین مشکوک افراد پکڑے گئے جن کے پاس انتہائی مہلک بارودی مواد کا ذخیرہ پکڑا گیا تھا۔ شاہ میر نے ایک عمارت اپنے ہاتھوں تباہ کی تھی اور باقی ان تمام عمارتوں پر اسپیشل پولیس کی بھاری نفری لگادی تھی جن کی نشاندہی علی رضا کی فراہم کردہ تصویروں سے ہوئی تھی۔ اس قدم سے باقی عمارتوں کو بچالیا گیا اور اسپیشل والوں نے گیارہ افراد گرفتار کئے جن کے پاس ان عمارتوں کے اڑانے کے لئے ڈائنامائٹس موجود تھے۔ دو عمارتوں کی تباہی کے بعد باقی عمارتوں کو بچالیا گیا تھا۔

☆......☆......☆

اس وقت صبح کے چار بجے تھے جب پولیس کے بہت بڑے بڑے عہدیدار شاہ میر کے ساتھ خانیہ سکندر کی کوٹھی میں داخل ہوئے تھے۔ حیرانی کی بات یہ تھی کہ پوری کوٹھی روشنی سے جگمگارہی تھی۔ گیٹ کھلا ہوا تھا تاہم یہ لوگ اندر داخل ہوگئے۔ خانیہ سکندر خوبصورت لباس میں بڑی شان سے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ انہیں دیکھ کر بڑے پیار سے مسکرائی اور بولی۔ ''میں معزز مہمانوں کا انتظار ہی کررہی تھی اور تم...... آگے آؤ شاہ میر۔ فخر کیا جانا چاہئے تم جیسے محبِ وطن انسان پر۔ پہلی بار میں نے جب تمہیں دیکھا تھا تو تمہاری آنکھوں کی چمک دیکھ کر خوف سا محسوس ہوا تھا اور دیکھو میری چھٹی حس نے مجھے ٹھیک احساس دلایا تھا۔''

''آپ کا وارنٹ گرفتاری ہے خانیہ۔'' شاہ میر نے کہا اور خانیہ نے دونوں ہاتھ آگے کردیئے۔ صفورا نے آگے بڑھ کر خانیہ کے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگادی۔

افسران ہالا دنگ تھے۔ ان میں سے کئی ایسے تھے جو خود خانیہ کے احسانات تلے دبے ہوئے تھے۔ خانیہ نے کہا۔ ''وہ سامنے ایک فائل پڑی ہے۔ اپنا کام کرتے ہوئے میں نے اپنی سوانح عمری بھی لکھی ہے۔ عمارتوں پر دھماکے میں نے ہی کرائے تھے۔ افسوس دو کے علاوہ تمام عمارتیں بچ گئیں۔ ان میں تمہیں اربوں روپے کی ناکارہ ادویات اور اسلحہ ملے گا۔ وہ جن جن بڑے آدمیوں کی ملکیت ہیں، ان کے نام تمہیں مع ناقابل تردید ثبوتوں کے مل جائیں گے۔ خود میں نے بے شمار قتل کئے ہیں، جن کی تفصیل میں نے ان کاغذات میں لکھ دی ہے۔ کرسکتے ہو تو میرے ساتھ ایک رعایت کردینا، بولو کروگے؟''

اس نے سوالیہ نظروں سے ایک ایک کی شکل دیکھی۔ پھر بولی۔ ''میرے مقدمے کو طول مت دینا۔ جتنی جلدی ہو، مجھے سزائے موت دلوا دینا۔ میں...... میں اپنے بچوں کے پاس جانا چاہتی ہوں۔''

(ختم شد)